میاں بیوی
حقوق اور ذمہ داریاں
محمد جمیل اختر جلیلی ندوی
ناشر
جامعہ ام سلمہ، فردوس نگر، توپچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)

میاں بیوی

حقوق اور ذمہ داریاں

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

باہتمام

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

ناشر

جامعہ ام سلمہؓ، فردوس نگر، توپچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)

نام کتاب : میاں بیوی-حقوق اور ذمہ داریاں

نام مؤلف : محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

(E-mail: jamiljh04@gmail.com/Mob: 9742767667/8292017888)

سرورق وتزئین : مولانا ابراہیم جامعی

سن طباعت : ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۸ء

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : جامعہ ام سلمہ فردوس نگر، توپ چانچی، دھنباد

قیمت : ۹۰/روپے

ملنے کے پتے

☆ جامعہ ام المؤمنین ام سلمہؓ فردوس نگر، توپچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)

☆ دارین بک ڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ (یوپی)

☆ کرن بک ڈپو، مین روڈ، رانچی (جھارکھنڈ)

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کنداپورا تعلق، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ دارالعلم، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

فہرست مضامین

مقدمہ

سماج کی تشکیل خاندانوں کے مجموعوں سے ہوتی ہے اور خاندان مرد اور عورت کے رشتۂ ازدواج میں بندھنے سے وجود میں آتا ہے۔ جوں ہی اجنبی مرد اور عورت ایجاب وقبول کرتے ہیں، فوراً ان پر ایک دوسرے کے تعلق سے حقوق اور ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں۔ مرد کے حقوق عورت کی ذمہ داریاں ہیں اور عورت کے حقوق مرد کی ذمہ داریاں ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں بہت ہی ایجاز کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ(البقرۃ: ۲۲۸)

عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ایسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔

زوجین کے حقوق وفرائض کی کماحقہ ادائیگی پر خاندان اور سماج کی مثالی تشکیل کا دارو مدار ہوتا ہے۔ اگر ان کی ادائیگی صحیح طریقے پر نہ ہو تو خاندان میں انتشار برپا رہتا ہے اور سماج بھی فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنا رہتا ہے۔

مغرب میں حقوق پر اتنا زور دیا گیا کہ ان کے لیے زبردست تحریک چلانے کی نوبت آ گئی۔ طاقت وروں نے کم زوروں کے حقوق غصب کیے اور انھیں ان سے محروم رکھا۔ اس کے بالمقابل کم زوروں نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی، طاقت فراہم کی، اس طرح ایک ایک کر کے وہ اپنے غصب شدہ حقوق کو بحال کرنے میں کام یاب ہو سکے۔

اس کے مقابلے میں اسلام نے حقوق طلب کرنے کے بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے میں سنجیدہ ہو اور اس پر دوسرے انسانوں کے جو حقوق

عائد ہوتے ہیں، ان کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ برتے تو کوئی بھی اپنے حقوق سے محروم نہیں رہے گا اور ان کے بارے میں کوئی شکوہ شکایت اس کی زبان پر نہ آسکے گی۔

زوجین کے ایک دوسرے پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ اور ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ہوا ہے، فقہاء نے تفصیل سے اس سلسلے میں احکام ومسائل بیان کیے ہیں اور علماء نے اس موضوع پر قیمتی لٹریچر مختلف زبانوں میں تیار کیا ہے۔ زیر نظر کتاب بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

اس کتاب کی ابتدا میں پہلے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ حق سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا اطلاق کن چیزوں پر ہوتا ہے؟ پھر تفصیل سے میاں بیوی کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، بتایا گیا ہے کہ کچھ حقوق مالی ہوتے ہیں اور کچھ غیر مالی، دونوں کی تشریح تفصیل سے کی گئی ہے، قرآنی آیات اور نبوی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے، فقہاء کے اقوال پیش کیے گئے ہیں، علماء کی تشریحات نقل کی گئی ہیں، اس طرح موضوع کے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے اور زوجین کے حقوق وفرائض کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

مصنف کتاب جناب مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی سے میرا تعارف نہیں۔ انھوں نے مسودہ بھیج کر خواہش کی کہ میں اسے دیکھ لوں اور اس پر کچھ لکھ بھی دوں۔ میں نے جستہ جستہ پوری کتاب کو دیکھا۔ مجھے یہ بہت مفید معلوم ہوئی۔ ان کی خواہش پر یہ چند سطریں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے مقبولِ عام بنائے، اس کے اجر سے نوازے اور مصنف کو مزید خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، یارب العالمین!

۲۳/رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ — محمد رضی الاسلام ندوی

۸/جون ۲۰۱۸ء — سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،امابعد!

''شادی'' بڑا پیارا اور خوبصورت لفظ ہے،اس کو ہندی میں ''بیاہ''،انگریزی میں ''میرج'' (Marriage) اور عربی میں ''زواج'' کہا جاتا ہے،اس معنی کو ادا کرنے کے لئے دنیا کی کسی بھی زبان کا کوئی بھی لفظ ہو، وہ خوشی وشادمانی اور فرحت ومسرت کا خزانہ ہوتا ہے، پھر شادی ایک کی ہوتی ہے؛ لیکن خوشی میں والدین، بھائی بہن، دوست واحباب بہت سارے لوگ شریک رہتے ہیں؛ لیکن بعض دفعہ شادی کے بعد ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کے ساتھ دونوں کے خاندان اور اہل تعلق کا بھی سکھ چین غارت ہو جاتا ہے۔

یوں تو شوہر اور بیوی کے بیچ نا اتفاقی اور لڑائی جھگڑے سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے؛ لیکن آج کے دور میں ہمارے مسلم سماج میں بھی یہ جھگڑے بہت بڑھ گئے ہیں،شادی، جو خوشیوں کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے، بہت سی فیملیوں میں دیکھا گیا ہے کہ نفرت، عداوت اور ٹینشن میں بدل گئی ، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ رزلٹ الٹا کیوں ہو رہا ہے؟ چھوٹے بڑے اس کے بہت سے اسباب ہیں؛ لیکن اصل اور بنیادی وجہ شریعت اسلامیہ کی تعلیمات وہدایات کو نظر انداز کرنا ہے۔

اسلام آخری آسمانی مذہب ہے، یہ دین فطرت ہے، یہ اعتدال وتوازن کا دین ہے،اس کی تعلیمات میں افراط وتفریط نہیں ہے، اگر کسی کی فطرت اپنی اصل شکل میں باقی ہے، بگڑی نہیں ہے تو اس کی فطرت گواہی دے گی کہ اسلام کی ساری تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں، اگر شوہر و بیوی

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کریں، بیوی کے شوہر پر اور شوہر کے بیوی پر جو حقوق اللہ کی جانب سے مقرر ہیں، دونوں ان حقوق کو ادا کریں تو کبھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو، اگر ہوگا بھی تو قرآن وحدیث میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس کا حل نکل آئے گا؛ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ قدم قدم پر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ شریعت کی خلاف ورزی کی جارہی ہے، میاں بیوی دونوں کو صرف اپنے حقوق یاد رہتے ہیں، ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ انہیں یاد نہیں رہتیں۔

یہ دور مردوزن میں برابری اور حقوق نسواں کا نعرہ بلند کر کے خاندانی شیرازہ کو بکھیرنے کا دور ہے، یورپ میں خاندانی زندگی کا تانا بانا تقریباً تارتار ہو چکا ہے، ام الخبائث (برائیوں کی ماں) شراب اور دیگر منشیات کے رواج نے انسان کو جانور سے بدتر بنا دیا ہے، حیاء، پاک دامنی اور عزت وآبرو جیسے الفاظ اپنے معنی کھوتے جارہے ہیں، بے حیائی اور عریانیت کا سیلاب آیا ہوا ہے، شوشل میڈیا ہر کچے پکے مکان میں داخل ہو چکا ہے، آزادی اور ثقافت وکلچر کے نام سے ایک خاص مقصد کے تحت منصوبہ بند طریقہ پر تباہ کن برائیوں کو عام کیا جارہا ہے، ابلیسی نظام وتہذیب کے پیچھے ہمارے مشرقی ممالک بھی سرپٹ بھاگ رہے ہیں، ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے، بہت سارے مذاہب کا یہ مولد ومسکن ہے، یہاں کے باشندے مذہبی ہیں، اس کے باوجود اسے ایک المیہ ہی کہا جائے گا کہ یہاں ایسے قوانین پاس کئے جارہے ہیں اور عدالتوں کے ذریعہ ایسے فیصلے کئے جارہے ہیں، جو سارے مذاہب کے خلاف ہوتے ہیں۔

دنیا میں مسلمان ہی ایک ایسی امت ہے، جس کے پاس زندگی گزارنے کے لئے اللہ کا دیا ہوا ایسا مکمل دستور موجود ہے، جو نہ صرف یہ کہ انسانوں کے لئے آخری ضابطۂ حیات ہے؛ بل کہ تنہا وہی ایک ایسا فطری قانون ہے، جو آج کے سائنسی دور کی گمراہ اور حیران وپریشان انسانیت کا نجات دہندہ اور مشکل کشا بن سکتا ہے، انصاف پسند اہل علم وفکر کو اس کا اعتراف بھی ہے؛ لیکن

شیطانی طاقتوں نے اس پر پورا زور لگا دیا ہے کہ اسلام کی فطری اور معتدل ومتوازن تعلیمات نہ صرف یہ کہ دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل رہیں؛ بل کہ ان روشن تعلیمات کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ لوگ ان سے خوف کھانے لگیں۔

ہم مسلمانوں کی مجرمانہ غفلت وکوتاہی یہ ہے کہ زمانہ کے اسلوب اور آج کے ذہن وفکر کو سامنے رکھ کر اسلامی قوانین کی معقولیت اور خوبیوں کو ہم پیش نہیں کر سکے اور اس سے بھی بڑا جرم ہمارا یہ ہے کہ ہم نے اپنے کرتوتوں سے دنیا کو اسلام سے متنفر کر دیا، آج ہمیں شکایت ہے کہ دنیا والے ہم سے نفرت کرتے ہیں، بھید بھاؤ برتا جاتا ہے، لوگ ہم سے لین دین کرنا پسند نہیں کرتے؛ یہاں تک کہ کالونیوں میں ہمیں جگہ نہیں دی جاتی ہے، کرایہ پر مکان نہیں ملتا ہے، ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ صورت حال کیوں پیدا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت حد تک اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں، ہمارا عمل ہے، ضرورت ہے کہ دین کو ہم اپنی زندگیوں میں اتاریں، عبادات کے ساتھ معاملات کو درست کریں، ایمان داری، راست گوئی، پاک بازی اور معاملات میں صفائی کو اپنا شیوہ بنائیں، پہلے گھر کے مکھیا اپنی اصلاح کریں، پھر بچوں اور بچیوں کو حکمت عملی اور دانش مندی کے ساتھ بگڑنے سے بچائیں، کس قدر شرم اور تکلیف کی بات ہے کہ آج ہماری بیٹیاں اور بہنیں دین وایمان کو چھوڑ کر غیروں سے شادی کر رہی ہیں، والدین اور گارجین کو قیامت کے دن اللہ بھی پکڑے گا اور بال بچے اور ماتحت والے بھی کہیں گے کہ خداوندا! انھوں نے میری تربیت نہیں، ہمیں بگڑنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا تھا، ضرورت ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے اور ان پر عمل کا شوق اور رغبت پیدا کرنے کے لئے جو بھی وسائل وذرائع اپنائے جاسکتے ہوں، اپنائے جائیں؛ تاکہ ہمیں دنیاوی پریشانیوں سے بھی نجات ملے اور آخرت کی کامیابی سے بھی ہم کنار ہوں۔

زیر نظر رسالہ ''**میاں بیوی - حقوق اور ذمہ داریاں**'' عزیز مکرم مفتی محمد جمیل اختر جلیلی

ندوی سلمہ اللہ کا تصنیف کردہ اپنے موضوع پر ایک مفید علمی رسالہ ہے، عزیز موصوف نے اس میں نہایت تفصیل سے شوہر اور بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا ذکر کیا ہے اور حسب معمول جو بات بھی لکھی ہے، مستند اور معتبر حوالوں سے لکھی ہے، لغت میں حق کے کیا معنی ہیں؟ شریعت میں حق کسے کہتے ہیں؟ پھر شوہر پر بیوی کے حقوق اور بیوی پر شوہر کے حقوق اور ان دونوں کی ذمہ داریوں کا حسن ترتیب کے ساتھ کتاب میں تذکرہ کیا گیا ہے، اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ بیوی کو دین کی بنیادی باتوں سے واقف کرانا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے، پھر مؤلف نے بتایا ہے کہ کچھ حقوق اور ذمہ داریاں تو وہ ہیں، جو قانونی اور لازمی ہیں اور بہت سارے حقوق اور ذمہ داریاں اخلاقی نوعیت کی ہیں؛ لیکن یہ اخلاقی اور رضا کارانہ حقوق اور ذمہ داریاں بڑی اہمیت اور دوررس نتائج کی حامل ہیں، خاص طور پر میاں بیوی کے تعلقات کو خوش گوار بنانے میں یہ بڑا اہم رول ادا کرتی ہیں۔

حضور ﷺ قیامت تک کے لئے اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے بہترین نمونہ اور آئیڈیل ہیں، ازدواجی وگھریلو زندگی میں بھی آپ ﷺ کا عمل اور اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک اور مشفقانہ برتاؤ ایسی روشنی ہے کہ اس سے ہم اپنے ازدواجی زندگی کے اندھیروں کو دور کر کے اپنے گھر کو امن وسکون کا گہوارہ بنا سکتے ہیں، فاضل مصنف کو اللہ جزائے خیر دے کہ "**حضور ﷺ شوہر کے روپ میں**" کے عنوان سے رسالہ میں ایک مضمون شامل کر دیا ہے، جس میں آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی کا دلنشین انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے، خدا ہمیں اتباع کی توفیق دے، آمین!

اگر چہ رسالہ کی زبان شگفتہ اور رواں ہے؛ لیکن بعض جگہیں فقہی اصطلاحات کی وجہ سے ہوسکتا ہے عام لوگوں کو مشکل معلوم ہوں، ضرورت ہے کہ اسے مزید آسان اور عام فہم بنا کر ہندی میں بھی شائع کیا جائے؛ تاکہ اس کا نفع عام ہو، مسلمان اردو بھولتے جا رہے ہیں، خاص طور پر اردو پڑھنے کا تناسب بہت ہی کم ہو گیا ہے، اہل خیر حضرات اس عمل خیر میں مصنف کا ہاتھ بٹا کر اجر و

ثواب کے حق دار بن سکتے ہیں، فاضل مصنف قابل مبارک باد ہیں کہ اپنے قائم کردہ اسکول کے انتظام وانصرام کی مصروفیات کے ساتھ اصلاحی وعلمی موضوعات پر لکھنے کا سلسلہ قائم ہے، دعاء ہے کہ اللہ ان کی علمی ودینی خدمات کو قبول کرے اور دنیا وآخرت میں ان کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ یہ رسالہ ''جامعہ ام سلمہ'' دھنباد (جھارکھنڈ) سے شائع ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازکر اس کے نفع کو عام فرمائے، آمین!

۱۱/صفر۱۴۴۰ھ — آفتاب عالم ندوی

۲۱/اکتوبر۲۰۱۸ء — ناظم جامعہ ام سلمہ

تقریظ

الحمد لله و کفیٰ علی عبادہ الذی نصطفیٰ، أمابعد!

اسلام نے فرد، خاندان اور معاشرہ کی اصلاح، استحکام اوراس کی فلاح و بہبود کے لئے ہر شخص کے حقوق وفرائض مقرر کردئے ہیں، ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے لئے ازدواجی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے، جواللہ کے محبوب بندوں کی صفت اورانبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے، اسی وجہ سے اسلام نے اسے نصف دین قرار دیا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق وفرائض کے سلسلے میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اگر اپنے فرائض کوادا کرنے لگے اورتو دوسروں کے حقوق ادا ہوجائیں گے، میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں بھی شریعت نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ دونوں کوان کے فرائض بتادئے، اگر دونوں نے ان فرائض کوادا کرتے ہوئے زندگی گزاری تو دنیا اورآخرت دونوں درست ہوجائے۔

عزیز گرامی قدر جناب مفتی **محمد جمیل اختر** جلیلی ندوی نے اپنی تازہ ترین تصنیف **''میاں بیوی-حقوق اورذمہ داریاں''** میں ان حقوق اورذمہ داریوں کوکتاب وسنت اورفقہ اسلامی کی معتبر کتابوں سے مدلل کرکے تحریر کیا ہے، کتاب کا اسلوب عمدہ، آسان، اصلاحی اورعلمی ہے، جو عوام الناس اورعلماء کے لئے یکساں مفید ہے، قوی امید ہے کہ مؤلف محترم کی دیگر کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ والسلام

۱۳رصفر ۱۴۴۰ھ
۲۳راکتوبر ۲۰۱۸ء

(مفتی) شہاب الدین قاسمی
ناظم معہد القرآن الکریم مدنی مسجد، نوادہ
جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء جھارکھنڈ

باسمہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً، أما بعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد کی پسلی سے عورت کو پیدا کیا، جس میں اس بات کی طرف صاف اشارہ ہے کہ دونوں کے درمیان بہت ہی مضبوط اور مستحکم تعلق ہے، جس کو باقی رکھنے کا اہم ذریعہ نکاح ہے۔

نکاح کے ذریعہ سے مرد وعورت ایک ایسے بندھن میں بندھ جاتے ہیں، جہاں دونوں کو سکون وطمانینت حاصل ہوتی ہے، اسی کو واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۝ (الروم: ۲۱)

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کردی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

لیکن اس سکون وطمانینت کے حصول کے لئے ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کی رعایت ضروری ہے، اگر یہ رعایت کرلی جائے تو نکاح کے ذریعہ سے بندھنے والا بندھن موت کے

بعد ہی ٹوٹتا ہے؛ لیکن اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو موت سے پہلے ہی طلاق کے ذریعہ اس بندھن کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے۔

میاں بیوی کے آپسی رعایت اور لحاظ کا دوسرا نام ''حقوق اور ذمہ داریاں'' ہیں، اگر میاں بیوی اپنی ذمہ داریوں کو اچھے ڈھنگ سے ادا کریں تو خود بہ خود ایک دوسرے کے حقوق ادا ہو جائیں گے؛ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ دونوں کو اپنی ذمہ داریاں ہی معلوم نہیں رہتیں، نتیجتاً زندگی بھر چخ چخ جھک جھک ہوتی رہتی ہے۔

راقم کی اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ دونوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کو قرآن وحدیث، تفسیر وشروحات اور فقہ وفتاوی کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، امید ہے کہ عام وخاص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی اشاعت پر اپنے مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہوں، جس نے مجھ جیسے بے مایہ کو اس کی توفیق عطا فرمائی، رسول اکرم ﷺ کا بھی احسان مند ہوں، جنھوں نے **استوصوا بالنساء خیراً** اور **الدنیا متاع، وخیر متاعها المرأة الصالحة** کے ذریعہ سے معاشرہ میں کم ترین سمجھی جانے والی صنف کو اوج کمال تک پہنچایا، والدین کا بھی ممنون ہوں، جنھوں نے آج کی مادی چمک دمک کی طرف نگاہ کئے بغیر میری تعلیم کے لئے مدرسہ کا انتخاب کیا، اللہ تعالیٰ انھیں بہتر صلہ عطا فرمائے، **رب ارحمهما كما ربياني صغيراً.**

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اسے موقع پر ان چمنستانوں اور وہاں کے باغبانوں کو بھول جاؤں، جہاں سے مجھے خوشہ چینی کی سعادت نصیب ہوئی، میری مراد جامعہ سید احمد شہیدؒ کٹولی، ملیح آباد، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے ہے، جہاں کی علمی فضا نے مجھے اس لائق بنایا کہ میں کچھ لکھ سکوں، اللہ ان تمام کو اپنے حفظ

وامان میں رکھے اوران کے فیض کودوردور تک عام کرے، نیز وہاں کے باغبانوں کوصحت وعافیت کے ساتھ رکھے،آمین!

خصوصیت کے ساتھ استاذ گرامیٔ قدر حضرت مولا خالدسیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کاممنون ہوں، جودرحقیقت ایک بلند پایہ مصنف ہی نہیں ؛بل کہ مصنف گر ہیں، جوخودرو پودوں کو اس ڈھنگ سے تراشتے ہیں کہ دنیاعش عش کراٹھتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کوتادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے،آمین! میں جناب ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے کسی تعارف کے بغیر ہی میری درخواست پر پوری کتاپڑھی اورگراں قدر مقدمہ بھی تحریر فرمایا،عم محترم جناب مولانا آفتاب عالم ندوی دام ظلہ (ناظم جامعہ ام سلمہ،فردوس نگر، دھنباد، جھارکھنڈ) کا بھی ممنون احسان ہوں،جن کے اشراف اورفکرمندی ہی کے نتیجہ میں میں کسی لائق ہوسکا،جنھوں نے اس کتاب کودیدہ ریزی کے ساتھ پڑھا اورمفید مشوروں سے نواز کرکتاب کواشاعت کے قابل بنایا؛بل کہ حقیقت یہ ہے کہ عم محترم ہی کےتوجہ خاص کے نتیجہ میں کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچ سکی کہ اپنے معروف ادارہ جامعہ ام سلمہ،فردوس نگر، دھنباد (جھارکھنڈ) سے شائع کرانے کی ذمہ داری قبول فرمائی، اللہ تعالیٰ انھیں تمام بیماریوں سے شفاعطافرمائے،ان کے سایہ کوتادیرقائم رکھےاور جامعہ ام سلمہ کومزید ترقیات سےنوازے،آمین!

برادرنسبتی جناب مفتی محمد شہاب الدین قاسمی دام ظلہ (جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء جھارکھنڈ) کا بھی مشکور ہوں، جومیری شکستہ تحریروں کوسراہتے رہتے ہیں اورجنھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجودمیری درخواست پراس کتاب کے لئے گراں قدرتقریظ عطافرمایا، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کےساتھ رکھے،آمین! نیز جناب مفتی شاہدعلی قاسمی صاحب (استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کابھی بےانتہاممنون ہوں،جنھوں نے اس کتاب کوازاول تاآخر پڑھااورتصحیح فرمائی، اللہ تعالیٰ جزائے

خیر عطا فرمائے، آمین، اسی طرح میں اپنے تمام بھائی بہنوں کا شکر گزار ہوں، بالخصوص چھوٹی ہمشیرہ ام اسامہ اور برادر معظم مولانا شکیل اختر ندوی صاحب کا، جن کے حوصلہ افزا کلمات کبھی بھی تکان محسوس نہیں ہونے دیتے، نیز چھوٹے بھائی محمد مبین اختر سلمہ کا بھی، جو کتاب کی طباعت کے مراحل طے کرنے میں ہمیشہ معاون رہے، نیز اہلیہ ام حمنہ کا بھی، جو میرے علمی اور عملی کاموں میں کبھی حارج نہیں بنتیں؛ بل کہ ہاتھ ہی بٹاتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمام کو بہتر اجر عطا فرمائے اور محبت ومودت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین!

بڑی احسان ناشناسی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے محبوب ادارہ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور (کرناٹک) کا ذکر نہ کروں، جہاں سے میری تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، جس کے نتیجہ میں کشید کردہ علم کو تقویت اور جلا ملی، اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ہر طرح کی ترقیات سے نوازے، نیز اس کے بانی مبانی جناب مولانا عبید اللہ ابوبکر ندوی مدظلہ کا ذکر بھی ناگزیر ہے، جو ہمیشہ کام کرنے والوں کو آگے بڑھتا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے راہ بھی ہموار کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے، آمین! نیز جناب مولا ابراہیم جامعی ڈونگرکر (استاذ: جامعہ ضیاء العلوم کنڈلو) بھی میرے خصوصی شکریئے کے مستحق ہیں، جن سے ہمیشہ کمپیوٹر کے تعلق سے بہت سارے کاموں میں مدد ملتی ہے، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

اخیر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے اندر اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے عام نفع پہنچائے اور اسے ذریعۂ آخرت بنائے، آمین یارب العالمین!

۱۷/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ — محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

۲۷/اکتوبر ۲۰۱۸ء — خادم: ہدی چلڈرنس اکیڈمی، بلیاپور، دھنباد (جھارکھنڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانی فطرت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ ایسے ہم مزاج وہم مذاق کی جستجو کرتا ہے، جو ایک طرف اس کی انبساط کی محفل کو سنوار اور خوشی کی بزم کو سجا سکے، مزاح کی مجلس کو آراستہ اور مذاق کی انجمن کو پیراستہ کر سکے تو دوسری طرف اس پر ٹوٹے ہوئے کوہِ الم کے تحمل میں تعاون اور غم کے چھائے ہوئے بادل کو دور کر سکے، روٹھی ہوئی مسکراہٹ کو بحال اور رنج کے اشکوں کو ٹال سکے، اس کے درد کا درماں اور اس کے دکھ کا مداوا بن سکے، انسان کی اس اہم ضرورت کی تکمیل اس کی شریک حیات سے بہ درجہ اکمل ہو سکتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے، جب دونوں کے تعلقات اپنی انتہا کو اس طرح پہنچ جائے، جسے ہم ''دو قالب، ایک جان'' سے تعبیر کر سکیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں میاں بیوی کے تعلق سے ایسا ہی کچھ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ. (البقرة: ۱۸۷)

وہ (بیویاں) تمہارے لئے لباس ہیں اور تم (شوہر) ان کے لئے لباس ہو۔

لباس انسان کو دھوپ کی تمازت اور سردی کی شدت سے بچاتا ہے، سورج سے نکلنے والی ضرر رساں شعاعوں سے اس کے جسم کی حفاظت کرتا ہے، اس کے ان اعضا کی ستر پوشی کرتا ہے، جن کو ظاہر کرنا ایک سلیم الفطرت انسان کے لئے باعث شرم و عار ہے، ان جسمانی عیوب کو بھی

چھپاتا ہے، جن کی وجہ سے بعض انسان کی طبیعت میل جول سے ابا کرتی ہے، اس کے اس حسن و جمال کے لئے پردہ کا کام کرتا ہے، جس کی وجہ سے نظر بد اور ہوس کا شکار ہونے سے بچ جاتا ہے، پھر یہ لباس اس کے لئے زیب وزینت کا سامان بھی بنتا ہے۔

میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے عیوب کو چھپاتے ہیں، غم کی دھوپ اور مصیبت کی شدت سے بچاتے ہیں، ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں سے حفاظت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی خوشی میں شریک اور غم میں ساتھی ہوتے ہیں؛ لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے، جب ہر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے کہ اس کے بغیر ''دو قالب، ایک جان'' کی تعبیر درست نہیں ہوسکتی، پھر حقوق کا خیال رکھنا اسی وقت ممکن ہے، جب دونوں کو معلوم ہو کہ ایک دوسرے کے وہ حقوق کیا ہیں، جن کی ادائے گی سے تعلقات میں گہرائی بھی پیدا ہوتی ہے؟ اور جب تعلقات میں گہرائی آجائے گی تو زندگی کی گاڑی روانی کے ساتھ اور ہچکولے کھائے بنا اپنی پٹری پر چلتی رہے گی، یہاں تک کہ دونوں منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ میاں بیوی کا آپسی تعلق ''ایک دوسرے کے لئے لباس'' کی طرح ہے، لہٰذا جو بیوی کے حقوق ہوں گے، وہ شوہر کی ذمہ داری اور اس کے فرائض ہوں گے اور جو بیوی کی ذمہ داری اور اس کے فرائض ہوں گے، وہ شوہر کے حقوق ہوں گے، یہاں لیڈیز فرسٹ کا خیال رکھتے ہوئے اور اس لئے بھی کہ معاشرتی زندگی میں اس کے حقوق کی رعایت کم کی جاتی ہے، پہلے بیوی کے حقوق لکھے گئے ہیں، جو دراصل شوہر کی ذمہ داری ہے، ان حقوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) مالی حقوق　　　(۲) غیر مالی حقوق

ان حقوق پر بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''حق'' کو سمجھا جائے؛ تاکہ

حقوق کی اہمیت ہمارے دل میں صحیح طور پر جاگزیں ہو جائے اور ہم اس کی ادائے گی میں کسی طرح کی کوتاہی سے بچ سکیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راہِ سداد کی توفیق دے، آمین!

حق کی تعریف

لغت میں حق کے معنیٰ ''ایسی ثابت شدہ چیز کے ہیں، جس کے انکار کی گنجائش نہیں'' (۱)، فقہی اصطلاح میں حق ''شریعت کی طرف سے مقرر کردہ ذمہ داری اور تصرف کے دائرۂ اختیار'' کو کہتے ہیں (۲)۔

حق کے لغوی و اصطلاحی تعریف کے کلمات پر نظر ڈالنے سے کئی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جو حق کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں، سب سے پہلی چیز ''ثابت شدہ'' ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خواہی نا خواہی آپ پر اس کی ادائے گی ضروری ہے، اس سلسلہ میں آپ کی اپنی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں، دوسری چیز ''شریعت کی طرف سے مقرر کردہ'' ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عدم ادائے گی کی صورت میں آپ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوں گے اور جو شخص اللہ کی گرفت میں آجائے، اسے راہِ فرار نہیں مل سکتا؛ کیوں کہ ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ (البروج: ۱۲) ''تمہارے رب کی پکڑ بہت سخت ہے''، تیسری چیز ''ذمہ داری'' ہے، 'ذمہ داری' ایسی چیز کو کہتے ہیں، جس کے لئے آپ جواب دہ ہوں اور آپ کا مؤاخذہ کیا جا سکے، ان تینوں کلمات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ حق کی ادئے گی بہر حال ضروری ہے، عدم ادائے گی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

حق کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت کو جان لینے کے بعد آیئے اب حقوق پر بھی

---

(۱) امام لغت جرجانیؒ لکھتے ہیں: الحق فی اللغة: هو الثابت الذی لایسوغ إنکاره. (التعریفات للجرجانی، ص: ۸۹)

(۲) شیخ مصطفیٰ زرقاءؒ لکھتے ہیں: اختصاص یقرر به الشرع سلطة أو تکلیفاً. (المدخل الفقهی العام: ۱۰۳)

ایک نظر ڈالتے چلیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے غیر مالی حقوق کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

غیر مالی حقوق

غیر مالی حقوق میں درج ذیل چیزیں داخل ہیں:

۱- **بنیادی دینی تعلیم**: اتنی مقدار میں دینی تعلیم کا حصول ضروری ہے، جس کے ذریعہ سے عقیدہ کے اندر درستگی اور حلال وحرام کے درمیان تمیز کی جاسکے، فرائض کو جانا جاسکے اور اوامر (جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) اور نواہی (جن اعمال سے رکنے کا حکم دیا گیا ہے) کی واقفیت ہوسکے، اللہ کے رسول ﷺ کے مبارک ارشاد ﴿طلب العلم فريضة على كل مسلم﴾ (سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء...... حديث نمبر: ۲۲٤) "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے" کا مطلب بھی یہی ہے؛ چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

> والذی ینبغی أن یقطع بـه المحصل ...... وهو: أن العلم ......ینقسم إلی علم معاملة، وعلم مكاشفة، وليس المرادبهذاالعلم إلاعلم المعاملة، والمعاملة التی كلف العبدالعاقل البالغ بهاثلاثة: اعتقاد، وفعل، وترك(۱).
>
> خلاصہ کے طور پر یہ کہنا مناسب ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم معاملہ اور دوسرے علم مکاشفہ اور یہاں علم معاملہ ہی مراد ہے اور تین طرح کے علم معاملات کا عاقل بالغ شخص کو مکلّف کیا گیا ہے، اعتقادی، عملی اور منہی عنہ۔

شادی کے بعد شوہر پر ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرے؛ تاکہ گھر کا پورا ماحول دینی ہو جائے اور بچوں کی تربیت دینی ماحول میں ہوسکے،

(۳) إحياء علوم الدين: ۱/ ۳۱

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایک وفد حضور اکرم ﷺ کی صحبتِ بابرکت میں بیس دن تک سعادت مندیوں اور خوش بختیوں کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے بعد گھر واپسی کا ارادہ کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے زادِراہ سے سرفراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ارجعوا إلى أهليكم، فأقيموا فيهم، وعلموهم، ومروهم(٤).

اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤ، انھیں کے درمیان قیام کرو، انھیں سکھاؤ اور انھیں حکم دو۔

اس حدیث میں لفظ ''**أهــل**'' کا استعمال ہوا ہے، جس میں پہلے نمبر پر 'بیوی' شامل ہے، پھر اس کے بعد دوسرے افرادِ خانہ کا نمبر آتا ہے؛ چنانچہ مشہور ماہر لغت احمد بن محمد فیومیؒ لکھتے ہیں:

ويطلق الأهل على الزوجة، والأهل أهل البيت(٥).

اہل کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے اور اہل (کے معنی) گھر والے (بھی) ہیں۔

علامہ بدرالدین عینیؒ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

والمراد بالأهل: الزوجات، أوأعم من ذلك(٦).

اہل سے مراد بیویاں ہیں، یا اس سے عام (تمام افرادِ خانہ) مراد ہیں۔

بہر حال! اس حدیث میں تعلیم دینے کا حکم کیا گیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ تعلیم سے مراد کونسی تعلیم ہے؟ اس کا جواب شراح حدیث کے کلام سے ملتا ہے، علامہ قسطلائیؒ فرماتے ہیں:

---

(٤) بخاری، حدیث نمبر: ٦٣١، مسلم، حدیث نمبر: ٦٧٤

(٥) المصباح المنير، ص:٢٣

(٦) عمدة القاری، باب ماجاء فی إجازة خبرالواحد......: ١٦/٤٨٥

(وعلّموهم)شرائع الإسلام(ومروهم)بالإتيان بالواجبات، والاجتناب عن المحرمات(۷).

اسلامی شریعت کی تعلیم دو اورواجبات کی ادائے گی اورمحرمات سے اجتناب کا حکم دو۔

اورظاہر ہے کہ بنیادی دینی تعلیم میں یہی باتیں شامل ہوتی ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من كانت له جارية فعلمها، وأحسن إليها، ثم أعتقها وتزوجها، كان له أجران(۸).

جس کسی کی باندی ہو، وہ اسے اچھی تعلیم دے، پھرآزادکرکے اس سے شادی کرلےتواس کے لئے دوہرااجر ہے۔

جب باندی کوتعلیم دینے کی یہ فضیلت ہےتو بیوی کوتعلیم دینے کی اہمیت اورفضیلت تواس سے کئی درجہ بڑھی ہوئی ہوگی،حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

مطابقة الحديث فی الأمة بالنص، وفی الأهل بالقياس، إذ الاعتناء بالأهل فی تعليم فرائض الله وسنن رسول الله ﷺ آكد من الاعتناء بالإماء(۹).

باندی کے سلسلہ میں حدیث صراحتاً مطابقت رکھتی ہے، جب کہ اہل کے سلسلہ میں قیاساً مطابقت پائی جاتی ہے کہ اہل کوفرائض وسنن کی تعلیم دینے کااہتمام کرناباندی کے ساتھ اہتمام کرنے

(۷) ارشادالساری: ۱۰/ ۲۸۷

(۸) بخاری،باب تعليم الرجل أمته وأهله، حدیث نمبر:۹۷

(۹) فتح الباری:۱/ ۱۹۰

کے مقابلہ میں زیادہ مؤکد ہے۔

بیوی اگر دینی تعلیم سے آراستہ ہوگی تو دنیا وآخرت دونوں جگہ کی زندگی گلزار بن جائے گی اور اگر دینی تعلیم سے محروم ہوگی تو خواہ دنیاوی زندگی میں بظاہر کیسی ہی خوش حالی کیوں نہ نظر آئے؛ لیکن دینی اعتبار سے اس زندگی کے اندر کھوکھلا پن ہوگا، نیز بیوی اگر دینی تعلیم سے معمور ہوگی تو شوہر کے لئے دینی راستہ کے انتخاب میں معاون ومددگار رہوگی، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

......إذتزوج المرأة المؤدبة المعلمة أكثربركة، وأقرب إلى أن تعين زوجها على دينه(١٠).

کہ تعلیم وتربیت یافتہ عورت سے شادی کرنا زیادہ برکت والا اور شوہر کے لئے دین کے راستہ پر چلنے میں معاونت سے زیادہ قریب ہے۔

آج غور کرنے اور سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اپنی بیویوں کی دینی تعلیم کے لئے فکر مند ہوتے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے اپنی بیویوں کے قرآن کی تصحیح کی؟ کیا کبھی ہم نے اپنی بیویوں کو طہارت، نماز، روزہ اور زکوۃ کے مسائل سکھانے کی فکر کی؟ بیویوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہماری ذمہ داری ہے، اگر ہم نے اس ذمہ داری کو ادا نہیں کیا تو ہم سے اس بابت پوچھ ہوگی؛ کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

ألا كلكم راع، وكلكم مسؤول عن رعيته ...... والرجل راع على أهل بيته، وهو مسؤول عنهم(١١).

سن لو! تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے

---

(١٠) عمدة القاري، باب تعليم الرجل أهله وأمته:٢/١١٩

(١١) مسلم، باب فضيلة الإمام العادل......، حدیث نمبر:١٨٢٩

ماتحت کے بارے میں پوچھ ہوگی......مرد اپنے گھر والوں پر ذمہ
دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

اس لئے ہمیں اپنی اس ذمہ داری کو حسن وخوبی کے ساتھ نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۲- **فرائض کی تلقین:** فرض کے اصل معنیٰ ''کاٹنے'' کے آتے ہیں، پھر چوں کہ 'واجب' (فرض) قطعی اور دوسرے (مندوب، مباح وغیرہ) سے (حکم میں) کٹا ہوا ہوتا ہے؛ اس لئے وہ لازم اور مقرر کرنے کے معنی میں منتقل ہوگیا(۱۲)۔

یہاں فرض سے مراد ''وہ مامورات اور منہیات ہیں، جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کیا ہے''، مامورات (جن افعال کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے) کی درج ذیل قسمیں ہیں:

(الف) فرض: جس کا ثبوت ایسے قطعی دلائل سے ہو، جن میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہ ہو اور جن کے انکار کی گنجائش نہیں، جیسے: پنج وقتہ نمازیں، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ، ان امور کو بلا عذر چھوڑنے والا قابل گرفت اور ان کا انکار کرنے والا کافر کہلائے گا، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فرض عین: ایسا فرض، جس کی ادائے گی فرداً فرداً ہر شخص پر ضروری ہے۔

(۲) فرض کفایہ: ایسا فرض، جس کی ادائے ہر فرد پر ضروری نہیں؛ بل کہ بعض افراد کی ادائے گی سے وہ ساقط ہو جاتا ہے؛ البتہ اگر کوئی ایک فرد بھی ادا نہ کرے تو تمام لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔

(ب) واجب: جس کا ثبوت ظنی دلائل سے ہو، جن میں دلائل کے تعارض کی وجہ سے شبہ کی گنجائش رہتی ہے، جیسے: وتر کی نماز، واجب کے انکار کرنے والے کا مؤاخذہ تو ہوتا ہے؛ لیکن اس کو کافر نہیں کہا جاتا۔

(ج) نفل: فرض اور واجب کے علاوہ جتنے مامورات ہیں، خواہ وہ سنت کے نام سے

(۱۲) لسان العرب: ۱۱/ ۱٦۰، كشف الأسرار: ۱/ ۱٤٤

جانے جاتے ہوں یا مستحب اور مباح کے نام سے، وہ سب اس میں شامل ہیں، تاہم ان میں بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں، جن کی ادئے گی کے سلسلہ میں تاکید ہے، جیسے: فجر کی سنتیں، ظہر سے پہلے، اسی طرح مغرب اور عشاء کے بعد کی سنتیں، ان امور کی ادائے گی کا اہتمام اس لئے ضروری ہے کہ یہ فرائض کے اندر رہ جانے والی کوتاہیوں کی تلافی اور فرائض پر عمل آوری کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

مذکورہ تمام باتوں سے بیوی کو واقف کرانا، پھر اس پر عمل درآمدگی کو یقینی بنانا شوہر کی ذمہ داری ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا. (طه:۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو۔

نیز یہ کام انتہائی ثواب کا بھی ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

رحم الله رجلاً قام من الليل فصلى ،وأيقظ امرأته فصلت، فإن أبت رش في وجهها الماء(۱۳).

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے، جو رات میں بیدار ہو کر نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو بیدار کرتا ہے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھتی ہے، اگر بیوی اٹھنے سے انکار کرتی ہے تو اس کے چہرہ پر پانی کا چھڑکاؤ کرتا ہے (تاکہ بیوی جاگ جائے اور نماز پڑھ لے)۔

مامورات کی طرح منہیات کی بھی کچھ صورتیں ہیں:

(الف) حرام: ایسے امور کو کہتے ہیں، جو شرعاً اپنی ذاتی حیثیت میں ممنوع ہو، جیسے:

---

(۱۳) سنن ابن ماجة، باب ماجاء فيمن أيقظ أهله من الليل، حدیث نمبر:۱۳۳۶

شراب نوشی اور بدکاری وغیرہ،اس کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ذاتی اعتبار سے حرام، جیسے: مردار کھانا اور شراب نوشی وغیرہ۔

(۲) خارجی چیز کی وجہ سے حرام، جیسے: بلا اجازت کسی کا مال کھالینا کہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے حلال ہے؛ لیکن اجازت نہ لینے کی وجہ سے (جو کہ خارجی امر ہے) حرام ہے۔

(ب) مکروہ: مکروہ کے معنیٰ ''ناپسندیدہ'' کے ہیں، اصطلاح میں مکروہ'' ایسے امور کو کہتے ہیں، جن سے رکنے کا مطالبہ شارع نے غیر لازمی طور پر کیا ہو،اس کی بھی دوصورتیں ہیں:

(۱) تحریمی: جو امور حرام کے قریب ہوں، ان سے رکنے کا مطالبہ 'مکروہ تحریمی' کہلاتا ہے۔

(۲) تنزیہی: جو امور حلال کے قریب ہوں، ان سے رکنے کا مطالبہ 'مکروہ تنزیہی' کہلاتا ہے(۱۴)۔

مذکورہ باتوں سے بیوی کو آگاہ کرنا اور ان کے ارتکاب سے روکنا شوہر پر لازم ہے؛ کیوں کہ یہ اعمال جہنم میں لے جانے کا سبب ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر والوں کو دوزخ کا ایندھن بننے سے بچانے کا حکم دیا ہے:

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً. (التحريم:٦)

اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ہم بھی اپنی بیویوں کو مامورات پر عمل پیرا کرنے اور منہیات سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں؟ ہماری اکثریت اپنی بیوی کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتی

---

(١٤) مامورات اور منہیات کی ان بحثوں کو دیکھنے کے لئے دیکھیں: علم أصول الفقه، ص: ١٠٥-١١٦، الإحكام فی أصول الأحكام: ١/ ١٥٦

ہے،اس کے لئے بھاگ دوڑ؛ بل کہ بیرونِ ملک تک کا سفر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتی،کیا ایسے شوہر پر یہ ذمہ داری عاید نہیں ہوتی کہ وہ اپنی بیوی کو فرائض کی ادائے گی اور محرمات سے بچنے کی تلقین کرے؟ یقیناً یہ ذمہ داری ہر ہر شوہر پر ہے اور اس سلسلہ میں اس سے پوچھ بھی ہوگی۔

۳- حقوقِ زوجیت کی ادائے گی: اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو دو طرح کی صفات سے متصف کیا ہے،ایک کو 'صفاتِ ملکوتیت' اور دوسرے کو 'صفاتِ بہیمیت' کہتے ہیں،عبادات کا تعلق صفاتِ ملکوتیت سے ہے، جب کہ خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل صفاتِ بہیمیت میں سے ہے، پھران دونوں صفات کی ادائے گی کی فطری خواہش انسان کو ودیعت کردی گئی ہے۔

نکاح کا ایک اہم مقصد خواہشات کی تکمیل اور اولاد کا حصول بھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقاصد اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظام تکوینی کے تحت اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب میاں بیوی کے درمیان تعلق قائم ہو جاتا ہے،اگر تعلق قائم نہ ہو تو نکاح کے یہ دونوں اہم مقاصد فوت ہو جائیں گے اور جب یہ فوت ہوں گے تو روئے زمین پر اخلاقی انارکی پھیل جائے گی۔

حق زوجیت (یعنی بیوی سے تعلق قائم کرنا) بھی بیوی کا ایک اہم دینی اور ضروری حق ہے،جس کو پورا کرنا آج کے زمانہ میں خوراک و پوشاک کے حق سے زیادہ ضروری ہے،حضور اکرم ﷺ کو بتلایا گیا کہ (حضرت) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں،اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے اس بات کی تصدیق کی، پھر فرمایا:

فلاتفعل، صم وأفطر، وقم ونم، فإن لجسدک علیک حقاً،
وإن لعینک علیک حقاً، وإن لزوجک علیک حقاً(۱۵).

ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سو

(۱۵) بخاری، باب لزوجك عليك حق،حدیث نمبر:۵۱۹۹

بھی جاؤ، کیوں کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر
حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اسے بیوی کا ایسا حق تسلیم کیا ہے، جس کے مطالبہ کا پورا استحقاق بیوی کو حاصل ہے، مشہور حنفی فقیہ عثمان بن علی زیلعیؒ لکھتے ہیں:

والوطء حق الزوجة، ولهذا كان لها المطالبة به(١٦).

وطی (بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنا) بیوی کا حق ہے، لہٰذا اسے
شوہر سے مطالبہ کا پورا استحقاق ہے۔

یہ حق کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس کا اندازہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے مرتب کردہ قانونی کتاب ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کے قانونِ طلاق کے دفعہ (۷۳) سے لگا سکتے ہیں، جس میں لکھا ہے کہ:

ترکِ مجامعت اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا بھی تفریق کے اسباب
میں سے ایک سبب ہے؛ کیوں کہ حقوق زوجیت کی ادائے گی
واجب ہے، حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنا اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا
ظلم ہے اور دفع ظلم قاضی کا فرض ہے، نیز صورت مذکورہ میں
عورت کا معصیت میں مبتلا ہونا بھی ممکن ہے، قاضی کا فرض ہے
کہ ایسے امکانات کو بند کردے؛ اس لئے اگر عورت قاضی کے
یہاں مذکورہ بالا شکایت کے ساتھ مرافعہ کرے تو قاضی تحقیقِ
حال کے بعد لازمی طور پر رفع ظلم کرے گا اور معصیت سے محفوظ

---

(١٦) تبيين الحقائق، بحث في العزل:٦/٢١

رکھنے کے مواقع پیدا کرے گا(۱۷)۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حق کی ادائے گی کے لئے کوئی مدت متعین ہے؟ اس کے جواب میں تھوڑی تفصیل ہے، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

واختلفوا فی مقداره، فقیل: یجب مرة، وقیل: فی کل أربع لیال، وقیل: فی کل طهر مرة، وقال ابن حزم: فرض علی الرجل أن یجامع امرأته التی هی زوجته، وأدنی ذلک مرة فی کل طهر، إن قدر علی ذلک، وإلا فهو عاص لله تعالیٰ(۱۸).

اس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے: ایک مرتبہ (زندگی میں)، یہ بھی کہا گیا: ہر چار دن میں ایک مرتبہ، یہ بھی کہا گیا ہے: ہر طہر میں ایک مرتبہ، (علامہ) ابن حزمؒ فرماتے ہیں: اپنی خاص بیوی کے ساتھ مجامعت کرنا شوہر پر فرض ہے، جس کی ادنی مقدار قادر ہونے کی صورت میں ہر طہر میں ایک مرتبہ ہے، ورنہ وہ اللہ کا نافرمان ہوگا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن ترک جماعها مطلقاً لایحل له، صرح أصحابنا بأن جماعها أحیاناً واجب دیانة؛ لکنه لایدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولیٰ، ولم یقدروا فیه مدة، ویجب ألا یبلغ به مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها به(۱۹).

---

(۱۷) مجموعۂ قوانین اسلامی، ص:۱۹۲

(۱۸) عمدة القاری، (حدیث نمبر:۵۱۹۹) باب لزوجك علیك حق: ۲۰/۱۸۹

(۱۹) فتح القدیر، باب القسم: ۷/۳۷۲

جاننا چاہئے کہ بالکلیہ جماع کا ترک کرنا شوہر کے لئے جائز نہیں، ہمارے اصحاب نے صراحت کی ہے کہ گاہے بہ گاہے جماع کرنا دیانتاً واجب ہے؛ البتہ قضاء اًصرف ایک مرتبہ جماع ہی لازم ہے، ہمارے اصحاب نے کوئی مدت مقرر نہیں کی ہے، تاہم واجب یہ ہے کہ ایلاء کی مدت (چار ماہ) تک اس کی رضا مندی کے بغیر چھوڑے نہ رکھے۔

موجودہ زمانہ میں چوں کہ عام بے حیائی کا زمانہ ہے؛ اس لئے اس زمانہ کے لحاظ سے علامہ ابن حزمؒ کا قول بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے؛ البتہ جو لوگ بیویوں کو چھوڑ کر دوسری جگہ رہتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے تک کی گنجائش نکل سکتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ کے قول میں صراحت کی گئی ہے، نیز حضرت عمرؓ نے امرائے اجناد کو حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''کوئی بھی شادی شدہ شخص چار مہینے سے زیادہ اپنی بیوی سے دور نہ رہے'' (۲۰)، اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رہنی چاہئے۔

آج ہمیں اپنے معاشرہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم میں سے ہر فرد اپنی بیوی کا یہ حق صحیح طور پر ادا کر رہا ہے؟ آج ہم میں سے اکثر کو یہ تو فکر ہوتی ہے کہ ہمارا گھر شاندار ہو، رہن سہن کی سطح اونچی ہو جائے، لباس و پوشاک میں نمایاں نظر آئیں، ان کی فکر آپ کو مبارک؛ لیکن خدارا بیوی کا یہ حق مار کر فکر نہ کریں، ورنہ پورا معاشرہ اخلاقی اعتبار سے کھوکھلا ہو جائے گا، جیسا کہ ان علاقوں کا مشاہدہ بتلاتا ہے، جہاں کی اکثریت غم روزگار کی تسلی کے لئے بیرون ممالک کا رخ کرتی ہے اور دو دو سال تک گھر کے دہلیز پر قدم تک نہیں رکھتے، کاش! ہم میں سے ہر شخص اس حق

---

(۲۰) ردالمحتار، باب القسم: ۴/ ۳۸۰

کی ادائے گی کی طرف توجہ دے سکے!

برتھ کنٹرول

حقوقِ زوجیت سے تعلق رکھنے والا ایک دوسرا مسئلہ عزل کا ہے، یہ بھی جماع کا ایک طریقہ ہے، جس میں مباشرت تو پائی جاتی ہے؛ لیکن انزال کے وقت عضو خاص کو نکال لیا جاتا ہے اور مادۂ منویہ کو شرم گاہ سے باہر خارج کیا جاتا ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

أقول: يشير إلى كراهية العزل من غير تحريم، والسبب فى ذلك أن المصالح متعارضة،فالمصلحة الخاصة بنفسه فى السبى، مثلا: أن يعزل، والمصلحة النوعية ألايعزل ليتحقق كثرة الأولاد، وقيام النسل، والنظرإلى المصلحة النوعية أرجح من النظرإلى المصلحة الشخصية فى عامة أحكام الله تعالىٰ التشريعية والتكوينية(٢١).

میں کہتا ہوں کہ حرمت کے بغیر عزل کی کراہیت معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصالح متعارض ہیں؛ چنانچہ باندی میں عزل کرنے میں فی نفسہ خاص مصلحت ہے، جب کہ نوعی مصلحت یہ ہے کہ عزل نہ کرے؛ تاکہ کثرتِ اولاد اور نسل کی بڑھوتری کا تحقق ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کے تشریعی وتکوینی عام احکام میں نوعی مصلحت کی رعایت کرنا شخصی مصلحت کے مقابلہ میں زیادہ راجح ہے۔

البتہ ''طبی ضرورت کے تحت نرودھ کا استعمال کرنا اور عزل کرنا جائز ہے'' (۲۲)، مفتی

(٢١) حجة الله البالغة، آداب المباشرة: ٢/٢٠٦

(٢٢) كتاب الفتاوى: ٤/٤٤٤

نظام الدین اعظمی صاحبؒ اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر صحت خراب ہو، تکالیف حمل برداشت کرنے کی طاقت نہ ہو یا استقرار حمل میں ایسی تکالیف کا اندیشہ ہو، جو نا قابل تحمل و برداشت ہوں، یا مسلمان دیندار طبیب حاذق نے اس کی تشخیص کی ہو تو عارضی طور پر قوت وصحت کی بحالی کے لئے منعِ حمل تدابیر مثلاً: نرودھ، لوپ، دوا یا مرہم کے استعمال کی گنجائش ہے(۲۳)۔

تاہم یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عزل یا اس قسم کے امور اختیار کرنے میں بیوی کی اجازت ضروری ہے، علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

...... والمنع من العزل إلا بإذنها(٢٤).

(وہ حقوق، جن کی مالکہ عورت ہے، ان میں سے ایک) عزل سے رکنا ہے؛ الا یہ کہ وہ اجازت دے (تو ایسی صورت میں عزل جائز ہے)۔

۴- **بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم اور عدل:** اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل کرنا اور شب گزاری کے لئے باری کی تقسیم کرنا ضروری ہے، یہ بیویوں کے بنیادی؛ بل کہ اعلیٰ واشرف حقوق میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا تو ان سے کہا:

ليس بكِ على أهلك هوان، إن شئت سبَّعت عندك، وسبعت عندهن، وإن شئت ثلثت عندك ودرت(٢٥).

---

(۲۳) منتخبات نظام الفتاویٰ:۳/۳۸۳، ط:ایفا پبلیکیشنز، دہلی

(٢٤) فتح القدير، فصل في بيان المحرمات: ٣/٢٢٧

(٢٥) مؤطاإمام مالك،المقام عندالبكروالأيم، حديث نمبر:١٩٣٥

تمہاری وجہ سے تمہارے گھر والوں (تم) کو خفت نہ ہوگی (اور
تمہارا حق ضائع نہیں ہوگا)، تم اگر چاہو تو تمہارے پاس سات
دن رہوں اور (پھر) سات سات دن تمام بیویوں کے پاس
رہوں اور اگر چاہو تو تمہارے پاس تین دن رہوں، پھر دوسری
بیویوں کے پاس جاؤں۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان شب گزاری کے لئے باری کی تقسیم عمل میں آئے گی، اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا باری کی اس تقسیم میں نئی اور پرانی سب برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے؛ چنانچہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر دوسری شادی باکرہ سے کر رہا ہے تو اس کے ساتھ سات دن گزارے، پھر اس کے بعد باری کی تقسیم عمل میں لائے اور اگر ثیبہ سے کر رہا ہے تو تین دن اس کے ساتھ شب باشی کرے، پھر اس کے بعد باری تقسیم کرے، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک بیویاں سب برابر ہیں، ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں کی جائے گی، سب کے ساتھ برابر شب گزاری جائے گی (۲۶)۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ باری کی یہ تقسیم شوہر کا حق ہے (کہ اگر وہ چاہے تو یہ تقسیم کرے اور اگر نہ چاہے تو تقسیم نہ کرے) یا عورت کا (کہ تقسیم نہ کرنے کی صورت میں وہ تقسیم کا مطالبہ کرے)؟ علامہ ابن عبدالبرؒ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وظاهر الحديث يشهد لقول من جعله من حق المرأة لقوله:

(۲٦) الاستذكار لابن عبدالبر: ۵/۴۳۹، معالم السنن للخطابی: ۳/۳۱۴

(للبكر سبع وللثيب ثلاث)، ويوجب عليه في البكر على كل حال أن يقيم عندها سبعاً وعندالثيب ثلاثاً على عموم الأثار، وهوقول جماعة أيضاً من فقهاء الأمصار، وهوأمر معمول به عندهم، وحسبک بقول أنس: مضت السنة بذلک(٢٧).

حدیث کا ظاہران لوگوں کی گواہی دیتا ہے، جنھوں نے اس کو عورت کا حق قرار دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے قول: ''باکرہ کے لئے سات اور ثیبہ کے تین دن'' کی وجہ سے، لہٰذا عمومی آثار کی وجہ سے شوہر پر ضروری ہے کہ ہر حال میں باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن گزارے، یہی فقہائے امصار کی ایک جماعت کا بھی قول ہے اور یہی ان کے نزدیک معمول بہ ہے، اور تمہارے لئے حضرت انسؓ کا قول: (مضت السنة بذلك) ''سنت سے یہی ثابت ہے'' اس مسئلہ کے لئے کافی ہے۔

اسی سے جڑا ہوا ایک اور مسئلہ 'عدل' کا ہے، عدل 'انصاف' کو کہتے ہیں اور انصاف یہ ہے کہ ''انسان کا ثابت شدہ حق اسے دیا جائے اور اس کے اوپر لازم شئی اس سے لیا جائے''، اب بیویوں کے وہ ثابت شدہ حقوق کیا ہیں، جن میں تمام بیویوں کے درمیان عدل سے کام لینا ضروری ہے؟ فقہائے کرام نے اس سلسلہ میں پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) ماکولات: کھانے کی چیزوں میں عدل ضروری ہے، جو ایک بیوی کو کھلائے، وہی دوسری بیوی کو بھی کھلانا ہوگا، اگر ایک بیوی کے لئے بازار سے فاسٹ فوڈ لا رہا ہے تو دوسری بیوی کے لئے بھی لانا ضروری ہوگا۔

---

(٢٧) التمهيد:١٧/٢٤٩

(۲) مشروبات: پینے کی چیزوں میں عدل ضروری ہے، اگر ایک بیوی کو فلٹر پانی پلا رہا ہے تو دوسری بیوی کو بھی فلٹر پانی پلانا ضروری ہے۔

(۳) ملبوسات: پہننے کی چیزوں میں بھی عدل سے کام لینا ضروری ہے، اگر ایک بیوی کو کاٹن کے کپڑے پہنا رہا ہے تو دوسری بیوی کو بھی وہی کپڑے پہنانے ہوں گے۔

(۴) رہائش گاہ: رہنے کی جگہ میں بھی عدل کرنا ہوگا، اگر ایک بیوی کو بہترین گھر رہنے کے لئے مہیا کیا جا رہا ہے تو دوسری بیوی کو بھی مہیا کرنا ہوگا۔

(۵) شب باشی: رات رہنے میں بھی عدل ضروری ہے، ایک بیوی کے پاس جتنی راتیں گزاری جائیں، دوسری کے پاس بھی اتنی ہی راتیں گزاری جائیں (۲۸)۔

اگر کوئی ایسا شخص، جس کے پاس ایک سے زائد بیویاں ہوں اور وہ مذکورہ چیزوں میں عدل سے کام نہیں لیتا ہے؛ بل کہ ناانصافی کرتا ہے تو قیامت کے دن انسانوں کے ٹھٹ کے درمیان بھی پہچانا جائے گا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من كان له امرأتان فمال إلى احداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل (۲۹).

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

دنیا میں وہ ایک بیوی کی طرف مائل ہوا تو ''الجزاء من جنس العمل'' (عمل کے

---

(۲۸) بدائع الصنائع، فصل: وجوب العدل بين النساء فى حقوقهن: ۲/۳۳۲

(۲۹) سنن أبى داود، باب فى القسم بين النساء، حدیث نمبر: ۲۱۳۳، سنن الدارمی، حدیث نمبر: ۲۲۵۲)

مقابلہ میں سزا) کے طور پر اس کا ایک پہلو فالج زدہ ہوگا، جس سے تمام لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے کس کرتوت کے بدلہ میں یہ سزا ملی ہے؟

ہمیں اپنے معاشرہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ کیا معاشرہ کا ہر وہ فرد، جس کی ایک سے زائد بیویاں ہیں، عدل وانصاف سے کام لے رہا ہے؟ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ ایک بیوی کے ساتھ تو رہائش اختیار کرلیا جاتا ہے، جب کہ دوسری بیوی کو کالمعلقہ بنا کر رکھ دیا جاتا ہے؟ کاش! ہم اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کو اپنا آئیڈیل بناتے اور قیامت کے دن کی رسوائی سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے!!

۵- **حسن معاشرت:** نکاح کا ایک اہم مقصد باہمی سکون اور طمانینتِ قلب ہے، ارشاد باری ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً. (الروم:٢١)

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کیں؛ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرسکو اور تمہارے درمیان رحمت ومودت قائم فرمائی۔

ظاہر ہے کہ یہ باہمی سکون، طمانینتِ قلب اور آپسی الفت ومحبت اسی وقت ممکن ہے، جب 'حسنِ معاشرت' کا وجود ہوگا، جس کا قرآن مجید میں تاکیدی حکم آیا ہوا ہے، ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (النساء: ١٩)

ان (بیویوں) کے ساتھ معروف طریقہ پر مل جل کر رہو۔

حسن معاشرت ایک دوطرفہ حق ہے؛ چنانچہ جس طرح شوہر پر حسن معاشرت ضروری

ہے، اسی طرح بیوی پر بھی ضروری ہے، اللہ فرماتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ .(البقرة: ٢٢٨)

ان عورتوں کو معروف طریقہ کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں، جیسے (مردوں کو) ان پر حاصل ہیں۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جھوٹ عام حالت میں جائز نہیں؛ لیکن بیوی کو خوش کرنے کے لئے جائز ہے، حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں:

ماسمعت رسول الله ﷺ يرخص في شئي من الكذب إلافي ثلاث: كان رسول الله ﷺ يقول: لااعده كاذباً، الرجل يصلح بين الناس، يقول القول ولايريد به إلا الإصلاح، والرجل يقول في الحرب، والرجل يحدث امرأته، والمرأة تحدث زوجها(٣٠).

میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تین چیزوں کے علاوہ کسی میں جھوٹ کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: میں اسے جھوٹ نہیں سمجھتا، ایک وہ شخص، جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے، وہ جھوٹ صرف صلح کی غرض سے کہتا ہے، دوسرا وہ، جو جنگ میں جھوٹ بولتا ہے اور تیسرا وہ، جو اپنی بیوی سے جھوٹ کہتا ہے اور بیوی اپنے شوہر سے جھوٹ کہتی ہے۔

مسند احمد کی روایت میں یہ لفظ ہے:

كذب الرجل امرأته ليرضيها(٣١).

---

(٣٠) أبوداود، باب في إصلاح ذات البين، حديث نمبر: ٤٩٢١

(٣١) مسنداحمد، حديث نمبر: ٢٧٦٠٨

آدمی کا اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کی گنجائش بیوی کی تطییب خاطر کے لئے ہو، کسی اور مقصد سے نہ ہو، بالخصوص کسی ایسے مقصد کے لئے تو ہرگز نہ ہو، جس کی وجہ سے میاں بیوی میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے؛ کیوں کہ نکاح ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں میاں بیوی کی طرف سے یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو نقصان سے بچائیں گے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے الفاظ میں:

بحيث يجعل كل واحد ضرر الآخر، ونفعه كالراجع إلى نفسه(٣٢).

اس طور پر کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا نفع اور نقصان سمجھے۔

حسن معاشرت کا مطلب صرف یہ نہیں کہ نفقاتِ واجبہ کی ادائے گی کردے اور بس؛ بل کہ صرف اس کے ساتھ کچھ لمحات ایسے گزارے، جس میں اللہ کے سوا کوئی چوتھا نہ ہو، اس کے اندر موجودہ زمانہ کے لحاظ سے یہ بھی داخل ہے کہ کبھی کبھار سیر وتفریح کے لئے بھی لے جایا جائے؛ لیکن ایسی تفریح سے بچنا ضروری ہے، جس میں حرام کے ارتکاب کی نوبت آتی ہو، کبھی شاپنگ اور کبھی آئس کریم پارلر وغیرہ بھی جانا چاہئے کہ موجودہ زمانہ کے اعتبار سے یہ بھی تطییبِ خاطر میں شامل ہیں، غالباً نبی کریم ﷺ کے جامع اور بلیغ الفاظ "أفلا تزوجت بكراً تلاعبك وتلاعبها؟"(٣٣) (کیوں باکرہ سے شادی نہیں کی کہ تم اس سے اور وہ تم سے اٹکھیلیاں کرتے؟" سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(٣٢) حجة الله البالغة: ٨٩/١

(٣٣) مسلم، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، حدیث نمبر: ١١٠

آج ہمیں اپنے معاشرہ کا جائزہ لینا ہے کہ کیا ہم بھی اس طرح حسن معاشرت کا خیال رکھتے ہیں؟ کیا ہم نے بیویوں کو صرف گھریلو کام کاج کا ایک روبوٹ نہیں سمجھ رکھا ہے، جہاں اس کی ذراسی چوک پر ہم آپے سے باہر ہوجاتے ہیں؟ کاش! ہم بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق حسن معاشرت رکھنے والے بن جاتے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین یارب العالمین!!

٦- **خلع**: خلع کے لغوی معنی ''اتارنے'' کے ہیں، قرآن مجید میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے ''لباس'' قرار دیا گیا ہے، خلع کی صورت میں چوں کہ یہ لباس اتار لیا جاتا ہے؛ اس لئے اسے بھی 'خلع' سے تعبیر کرتے ہیں، اصطلاح میں خلع ''مالی عوض کے بدلہ میں ملکیت نکاح کو (عمومی طور پر) لفظ خلع کے ذریعہ سے ختم کرنے'' کو کہتے ہیں (٣٤)، یہ کبھی لفظِ مبارأت (یعنی جملہ حقوق سے بری کرنے کے عوض میں)، کبھی لفظِ بیع وشراء اور کبھی لفظِ طلاق بالمال (مثلاً: شوہر کہے: پانچ ہزار کے بدلہ میں نے تجھے طلاق دی اور بیوی کہے: میں نے قبول کیا) کے ذریعہ سے بھی وجود میں آتا ہے(٣٥)۔

خلع ملکیتِ نکاح سے خلاصی کا ایک ذریعہ ہے، جو طلاق کے مقابلہ میں عورت کا خاص حق اس اعتبار سے ہے کہ وہ بھی شوہر کی رضامندی سے خلع یافتہ ہوسکتی ہے (اور خصوصی حالت میں شوہر کی رضامندی کے بغیر قاضی کی طرف سے مقرر کردہ حکم کے ازخود تفریق کردینے سے بھی وہ خلع یافتہ ہوسکتی ہے[جدید فقہی مسائل:٢٠٨/٣])، اس کا مطالبہ عورت اس وقت کرتی ہے، جب کسی وجہ سے شوہر سے اس کی نہیں بنتی اور شوہر طلاق دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کچھ مال کا فدیہ دے دلا کر شوہر سے چھٹکارہ حاصل کیا جاتا ہے، یہ مال عورت پر ظلم کی وجہ سے نہیں ہے؛

---

(٣٤) دررالحکام، باب الخلع: ٣٨٩/١

(٣٥) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ٢/ ٧٦٦

بل کہ یہ اس مال کے عوض میں ہے، جو شوہر نے شادی کے موقع پر خرچ کئے تھے اور چوں کہ شوہر خود سے طلاق نہیں دے رہا ہے؛ بل کہ عورت کی یہ خواہش ہے؛ اس لئے اتنے مال کی قربانی اسے دینی ہوگی، جس پر شوہر طلاق دینے کے لئے راضی ہوجائے، یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ خلع کی پیش کش مرد کی جانب سے بھی ہوسکتی ہے، مثلاً: شوہر کہے کہ: میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا اور بیوی کہے: میں نے قبول کیا تو خلع واقع ہوجائے گا(۳۶)۔

شادی کا مقصد چوں کہ سکون قلبی ہے، لہٰذا جب یہ سکون ختم ہوجائے اور مفاہمت ومصالحت کے ذریعہ سے بھی بات بنتی نظر نہ آئے تو زندگی بھر چخ چخ کے بجائے میاں بیوی کے درمیان جدائے گی ہی بہتر ہے؛ چنانچہ عورت کی طرف سے مطالبۂ خلع کی صورت میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے مطالبہ کو بہ سہولت پورا کردے؛ تاکہ دونوں کی زندگی اُس سکون واطمینان کے ساتھ گزر سکے، جو شریعت کا مطلوب اور مقصود ہے۔

مالی حقوق

غیر مالی حقوق کی تفصیلات جان لینے کے بعد اب آیئے عورت کے مالی حقوق یعنی شوہر کی مالی ذمہ داریوں پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں، یہ درج ذیل ہیں:

۱- **مہر:** یہ عورتوں کا ایک بنیادی حق ہے، جس کا ادا کرنا شوہر پر اسی طرح ضروری ہے، جس طرح قرض کی ادائے گی ضروری ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. (النساء:٤)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

(٣٦) الفقه الإسلامی وأدلته: ٧/ ٤٨٠ ومابعدها، مجموعۂ قوانین اسلامی، ص: ۱۸۱

فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً. (النساء:٢٤)

ان کو ان کا مقرر کیا ہوا مہر ادا کرو۔

ان دونوں آیتوں میں مہر کی ادائے گی کے لئے امر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں، جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں، یعنی مہر شوہر کے ذمہ ایک ایسی واجب الأ داشئی ہے، جس کے ادا کئے بغیر چارہ نہیں؛ حتیٰ کہ نکاح بھی درست نہیں ہوتا، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

فلاجواز للنكاح بدون المهر عندنا(٣٧).

ہمارے (احناف) کے نزدیک بغیر مہر کے نکاح کا کوئی جواز نہیں۔

البتہ اگر کسی نے مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا تو شوہر پر مہر مثل (مہر کی ایسی مقدار، جو اس پدری رشتہ دار خواتین کا طے ہو، جیسے: پھوپھیاں اور بہنیں) واجب ہوگا، نیز مہر کی ادائے گی سے پہلے بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اوپر شوہر کو قابو نہ دے، مشہور حنفی فقیہ برہان الدین ابن مازہؒ لکھتے ہیں:

ولها حق حبس نفسها عن الزوج إلى أن يستوفى المهر(٣٨).

اور اسے شوہر سے اپنے آپ کو روکنے کا حق ہے؛ یہاں تک کہ وہ مہر ادا کر دے۔

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مہر کے لئے کوئی مقدار متعین ہے؟ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مہر کی اکثری مقدار کی کوئی تحدید نہیں ہے، تاہم اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے؛ چنانچہ ایک موقع سے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

ألا لاتغالوا فی صداق النساء، فإنها لو كانت مكرمة فی الدنيا، أو تقوى عند الله عز وجل، كان أولاكم بها النبی ﷺ(٣٩).

---

(٣٧) بدائع الصنائع، فصل فی المهر: ٤٨٠/٣

(٣٨) المحيط البرهانی، فی نفقة الزوجات: ٥١٩/٣

(٣٩) مشكل الأثار، اثر نمبر: ٥٠٤٩

سنو! تم لوگ عورتوں کے مہر میں بے تحاشہ اضافہ نہ کرو؛ کیوں کہ اگر یہ دنیا میں عزت یا اللہ کے نزدیک تقوی کی بات ہوتی تو نبی کریم ﷺ تم سے زیادہ اس کے حق دار تھے۔

البتہ مہر کی کم سے کم مقدار کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے؛ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم (احتیاطی طور پر بتیس گرام چاندی) ہے، اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے:

لا مهر بأقل من عشرة دراهم(٤٠).

دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔

جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وہ چیز مہر بن سکتی ہے، جس کے اندر مبیع بننے کی صلاحیت ہو (فتح المعین، ص:٤٨٦)، ان کی دلیل ایک تو قرآن مجید کی آیت ﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم﴾ ہے کہ اس کے اندر مطلق مال کا ذکر کیا گیا ہے، کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، نیز حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا:

التمس ولو خاتماً من حديد(٤١).

(مہر) تلاش کرو، اگر چہ کہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔

احناف نے اس حدیث کو مہر معجّل پر محمول کیا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

فيحمل كل ما أفاد ظاهره كونه أقل من عشرة دراهم على أنه المعجل، وذلك لأن العادة عندهم كانت تعجيل بعض المهر قبل الدخول(٤٢).

---

(٤٠) مصنف ابن ابی شیبة، اثر نمبر:١٦٣٧٤

(٤١) بخاری، باب السلطان ولی......، حدیث نمبر:٥١٣٥

(٤٢) فتح القدير، باب المهر: ٢٠٦/٣

ان تمام احادیث کو، جن سے مہر کے دس درہم سے کم ہونے کی
بات معلوم ہورہی ہے، مہرِ معجّل پر محمول کیا جائے گا؛ اس لئے کہ
عربوں کی عادت دخول سے پہلے مہر کا بعض حصہ ادا کرنے کی تھی۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے اگر مہر معجّل ہو تو دس درہم سے کم پر بھی کام چل جائے گا؛ بل کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے پہلے مہر کا کچھ حصہ دیا جائے، خواہ اس کی مقدار بالکل معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

مہر کے سلسلہ میں ہمارے معاشرہ کا رخ کیا ہے؟ یہ کسی اہل نظر سے مخفی نہیں، ہماری اکثریت مہر کو مؤجل رکھتی ہے، جس کا مطلب ہی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ''اجَـل ''(موت) آنے تک بالکل ادا نہ کیا جائے اور اس کی موت کے بعد بے چاری کا حق ورثہ سے معاف کروانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اپنی موت کے وقت اس کے سامنے آنسو بہاتے ہوئے معافی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، معاشرہ سے اس رخ کو دور کرنے کی شدید ضرورت ہے؛ کیوں کہ مہر قرض کی طرح واجب الاداءشئی ہے، لہٰذا اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے، ہر شوہر کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی بیوی کے لئے اچھے انتظامات کرے اور اس کے لئے تگ و دو بھی کرتا ہے، ایسے شوہروں کو پہلے مہر کی ادائے گی کی فکر کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین!

۲- نفقہ: 'نَفَقَہ' انفاق (خرچ کرنا) کا اسم ہے، جو نفوق سے مشتق ہے، اس کے معنی 'ہلاک ہونے' کے آتے ہیں؛ چنانچہ جب جانور ہلاک ہوجائے تو 'نـفـقـت الـدابة' کہا جاتا ہے؛ چوں کہ انفاق کرنے کی صورت میں مال ہلاک اور خرچ ہوتا ہے؛ اس لئے اسے بھی نفقہ کہا جاتا ہے، شریعت کی اصطلاح میں نفقہ ''اس چیز کو کہتے ہیں، جس پر کسی چیز کی بقا موقوف ہو'' (۴۳)۔

---

(۴۳) مایتوقف علیه بقاء شئی. دستور العلماء لقاضی عبدالنبی بن عبدالرسول الأحمد نگری: ۲۸۸/۳

نفقہ بھی بیوی کا ایک بنیادی حق ہے، جو ہر شوہر پر واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَه' رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (البقرة:٢٣٣)

بچہ کے باپ پر معروف طریقہ سے ان عورتوں کا نفقہ اور کسوہ ہے۔

اس سلسلہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے تاکیدی حکم بھی دیا ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے عورتوں کے حقوق کو بتلاتے ہوئے فرمایا:

ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن(٤٤).

سنو! تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے خورش و پوشش میں حسنِ سلوک کرو۔

یہی وجہ ہے کہ نفقہ کے وجوب پر اہل علم کا اتفاق ہے، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

وأما الإجماع: فاتفق أهل العلم على وجوب نفقات الزوجات على أزواجهن(٤٥).

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو شوہروں پر بیویوں کے نفقات کے وجوب پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص نفقہ کی ادائے گی میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ ارشاد ہے:

كفى بالمرء إثما أن يضيع من يعول(٤٦).

آدمی کے گنہ گار ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے حقوق

(٤٤) سنن الترمذی، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر:١١٦٣

(٤٥) المغنی: ٨/١٩٥

(٤٦) المستدرك للحاكم، حدیث نمبر: ٨٥٢٦

کو ضائع کرے، جن کی پرورش کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ نفقہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں؟ اس سلسلہ میں قطعی تحدید وتعیین نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اس کا تعلق عرف سے ہے اور اصل چیز 'کفایت' ہے، یعنی جن چیزوں سے ضرورت پوری ہوجائے، وہ نفقہ میں شامل ہیں، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

والصواب المقطوع به عند جمهور العلماء أن نفقة الزوجة مرجعها إلى العرف، وليست مقدرة بالشرع، فإنها تختلف باختلاف أحوال البلاد والأزمنة وحال الزوجين وعاداتهما، قال تعالیٰ: وعاشروهن بالمعروف(٤٧).

جمہور علماء کے نزدیک درست اور قطعی بات یہ ہے کہ بیوی کے نفقہ کا تعلق عرف سے ہے، یہ شرعی اعتبار سے متعین نہیں ہے؛ چنانچہ علاقہ، زمانہ، میاں بیوی کے حالات اور عادات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیویوں کے ساتھ معروف طریقہ پر معاشرت اختیار کرو۔

تاہم پھر بھی فقہاء نے ایک حد تک ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، جن کی تفصیلات یہ ہیں:

۱- **رہائش:** شوہر پر بیوی کے لئے رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِنۡ وُجۡدِکُمۡ .(الطلاق:٦)

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق اسی جگہ رہائش مہیا کرو،

(٤٧) مجموع الفتاوى: ٩/ ٥٤

جہاں تم رہتے ہو۔

رہائش گاہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ شوہر کی ذاتی ملکیت ہو، عاریتاً یا کرایہ پر لیا ہوا مکان بھی کافی ہے، تاہم معیار کے اعتبار سے مرد وعورت دونوں کی رعایت ہونی چاہئے، نیز اس مکان میں بیوی کی خواہش کے بغیر کسی اور کو رہنے نہ دیا جائے، اسی طرح عصمت وعفت کی حفاظت اور شوہر کے ساتھ استمتاع کے لحاظ سے بھی وہ مامون ہو(۴۸)۔

۲- **خوراک:** خوراک کا انتظام بھی شوہر پر واجب ہے، تاہم اس کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، بس اس مقدار میں دیا جائے، جس سے بیوی کی کفایت ہو سکے، اس سلسلہ میں خام سامان بھی دیا جا سکتا ہے اور پکا پکایا بھی، اگر عورت کا تعلق ایسے خاندان سے ہے، جہاں کی عورتیں خود کھانا بناتی ہیں، وہاں خام سامان فراہم کرنا کافی ہے؛ لیکن اگر اس کا تعلق ایسے خاندان سے ہے، جہاں کی عورتیں خود کھانا نہیں بناتیں؛ بل کہ نوکر چاکر بناتے ہیں، وہاں پکا پکایا کھانا فراہم کرنا مرد پر ضروری ہے، ہاں اگر بیوی خود پکانے پر راضی ہو تو سامان مہیا کر دینا کافی ہے۔

سامان فراہم کرنے میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ پکانے کے لئے جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے، وہ سب فراہم کئے جائیں، مثلاً: ایندھن اور پانی وغیرہ، اسی طرح خوراک کی فراہمی میں سالن وغیرہ بھی داخل ہے؛ حتیٰ کہ ماحول کے اعتبار سے ہفتہ دس دن یا پندرہ بیس دن میں گوشت کی فراہمی بھی داخل ہے، نیز موجودہ زمانہ میں ریفریجریٹر اور گرائنڈر وغیرہ بھی نفقہ میں شامل ہیں(۴۹)۔

۳- **لباس:** لباس و پوشاک کا انتظام بھی شوہر پر ضروری ہے، اس کے لئے بھی مقدار اور نوعیت کی تعیین نہیں کی گئی ہے؛ البتہ ستر کے تقاضے کو پورا کرنے والا ہونا ضروری ہے، معیار کے

(۴۸) بدائع الصنائع:۵/۱۴۴، فتح القدير:۴/۳۵۷

(۴۹) المبسوط للسرخسي: ۵/۱۸۲، قاموس الفقه: ۵/۲۰۹

سلسلہ میں بھی مرد کی استطاعت اور عورت کے خاندان والوں کی رعایت ضروری ہے، سال میں کم از کم دو جوڑے بنوا کر دینا ضروری ہے، کپڑے بنوانے میں موسم کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، اگر وقت سے پہلے کپڑا اپھٹ جائے تو قانوناً شوہر پر دوسرا بنوا کر دینا ضروری نہیں؛ لیکن دیانۃً واجب ہے، لباس میں جوتے چپل اور موسم کی رعایت کرتے ہوئے موزے اور دستانے وغیرہ کی فراہمی بھی شامل ہے (۵۰)۔

۴- **آرائشی سامان:** آرائشی سامان کا انتظام بھی شوہر پر ضروری ہے، ان میں سے کچھ چیزوں کا انتظام تو واجب درجہ کی ہے، جیسے: تیل، نہانے اور دھونے کا صابن، کنگھی، بدبو اور بال زائل کرنے والے کریم وغیرہ، جب کہ بعض چیزیں واجب کے قبیل سے نہیں ہیں، جیسے: سرمہ، کاجل، خضاب وغیرہ، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

> ویجب علیه ماتنظف به وتزیل الوسخ کالمشط، والدهن، والسدر، والخطمی، والأشنان، والصابون علی عادة أهل البلد، أماالخضاب، والکحل، فلایلزمه؛ بل هوعلی اختیاره، وأماالطیب فیجب علیه مایقطع به السهوکة، لاغیر (۵۱).
>
> اوراس پر صفائی وستھرائی کے سامان اہل شہر کے عرف کے مطابق واجب ہیں، جیسے: کنگھی، تیل، بیری، خطمی، اشنان اور صابون، سرمہ لازم نہیں، اختیاری ہے، خوشبو میں بدبو کو زائل کرنے والی خوشبو بھی ضروری ہے۔

۵- **گھریلو سامان:** گھریلو سامان کا انتظام بھی شوہر پر ضروری ہے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

---

(۵۰) فتح القدیر:۳۴۸/۴

(۵۱) ردالمحتار:۵۷۹/۳

(ویجب علیه آلة طحن، وخبز، وآنیة شراب، وطبخ، ککوز، وجرة، وقدر، ومغفرة) وکذا سائر أدوات البیت کحصر، ولبد، وطنفسة(٥٢).

شوہر پر آٹا پیسنے کی چکی، پانی کے برتن، پکانے کے برتن، پیالے، گھڑے، دیگچی اور چمچے واجب ہیں، اسی طرح گھر کے دوسرے سامان، جیسے: چٹائی اور گدے وغیرہ بھی (واجب ہے)۔

٦- **خادم کا نظم:** اگر عورت ایسے سماج سے تعلق رکھتی ہو، جس میں خدام اور چاکروں سے کام لیا جاتا ہو تو گھریلو کام کاج کے لئے بیوی کے خادم کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے؛ البتہ یہ وجوب اس وقت ہے، جب کہ شوہر کی معاشی حالت بہتر ہو، اگر شوہر کی معاشی حالت بہتر نہ ہو تو ایسی صورت میں خادم کا نفقہ شوہر پر ضروری نہیں، ہدایہ میں ہے:

وتفرض علی الزوج إذا کان موسراً نفقة خادمها، ووجهه أن کفایتها واجبة علیه، وهذا من تمامها، إذلا بدلها منه(٥٣).

مالدار ہونے کی حالت میں شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر پر اس کی کفایت ضروری ہے اور یہ اس کے اتمام میں سے ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے۔

خادم کے نفقہ میں خوراک، پوشاک اور رہائش کا انتظام شامل ہے۔

موجودہ زمانہ میں خادم اور خادمہ کا رواج ختم ہو چکا ہے، ایسی صورت میں گھروں میں کام کرنے والوں کی اجرت شوہر کے ذمہ واجب ہے، استاذ گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

---

(٥٢) الدرالمختار مع رد المحتار: ٥٧٩/٣
(٥٣) هدایة: ٢٨٧/٢

موجودہ زمانہ میں جو خادم اور خادمائیں اجرت پر رکھے جاتے ہیں، ان کو متعینہ اجرت ادا کر دینا کافی ہوگا، اسی طرح اس دور میں بعض ایسی مشینی اشیاء ایجاد ہوگئی ہیں، جو جزوی اعتبار سے خادم کا کام کرتی ہیں، جیسے: کپڑے دھلنے کی مشین وغیرہ، تو ایسے شوہر کے لئے، جو مستقل خادم کا نظم تو نہ کرسکتا ہو؛ لیکن اس طرح کی اشیائے ضرورت فراہم کرسکتا ہو، تو اس کی فراہمی اس پر واجب ہے(۵۴)۔

۳- **علاج ومعالجہ:** بیوی کے علاج ومعالجہ کا نفقہ مذاہب اربعہ میں شوہر پر واجب نہیں ہے؛ لیکن یہ اس زمانہ کی بات ہے، جب کہ بیماریاں عام نہیں تھیں اور علاج کا خرچہ بھی معمولی ہوا کرتا تھا؛ اس لئے فقہاء نے علاج کو بنیادی ضرورت میں شمار نہیں کیا تھا؛ لیکن موجودہ زمانہ میں بیماریاں عام ہوچکی ہیں اور علاج کا خرچہ بھی بہت گراں ہو چکا ہے؛ اس لئے عصر حاضر کے علماء نے علاج کے خرچہ کو بھی نفقہ میں شمار کیا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

ویظھرلی أن المداواة لم تکن فی الماضی حاجة أساسية، فلایحتاج الإنسان غالباً إلی العلاج...... أماالآن فقد أصبحت الحاجة إلی العلاج کالحاجة إلی ا لطعام والغذاء؛ بل أھم ......لذا فإنانری وجوب نفقة الدواء علی الزوج کغیرھا من النفقات الضروریة(٥٥).

میرے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی کہ علاج گزشتہ زمانہ میں

(٥٤) قاموس الفقه: ٢٠٩/٥
(٥٥) الفقه الإسلامی وأدلته: ٧٩٤/٧

بنیادی ضرورت نہیں تھا؛ چنانچہ انسان کو عموماً علاج کی ضرورت نہ تھی؛ لیکن آج علاج غذا اور کھانے سے زیادہ ضروری ہو چکا ہے، لہٰذا ہم شوہر پر دوا کا نفقہ اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں، جس طرح دوسرے نفقات ضروریہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔

۴- **ہبہ:** ہبہ ''تبرع''، یعنی عطیہ کو کہتے ہیں، شریعت میں ہبہ ''بلاعوض اشیاء کے مالک بنادینے'' کو کہتے ہیں (۵۶)، جب آدمی کسی چیز کا مالک ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ کسی کو بھی عطیہ دے، اس میں شرعاً کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں۔

شوہر اگر اپنی زندگی میں بیوی کو کچھ ہبہ کرنا چاہے تو اس کی گنجائش ہے، نیز اس نیت سے ہبہ کرنا کہ میرے بعد بیوی کو کسی قسم کی کوئی مالی پریشانی نہ ہو، ایک مستحسن امر ہے؛ البتہ دوسرے رشتہ داروں کو محروم کر کے تمام مال ومتاع بیوی کے نام ہبہ کر دینا مناسب نہیں، اسی طرح ورثاء کو محروم کرنے کی نیت سے تمام مال بیوی کو ہبہ کر دینا گناہ کا باعث ہے (۵۷)۔

موجودہ زمانہ میں چوں کہ بے دینی عام ہے، اخلاقی سطح پر بھی لوگوں کا گراف نیچے اترا ہوا ہے؛ اس لئے اگر شوہر یہ محسوس کرے کہ اس کی موت کے بعد بیوی کو نہ تو میراث دی جائے گی اور نا ہی مالی اعتبار سے اس کا تعاون کیا جائے گا تو ایسی صورت میں شوہر کو ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بیوی کے لئے کم از کم میراث کے بقدر ضرور ہبہ کر دینا چاہئے کہ یہ ایک طرح سے بیوی کا حق ہے۔

۵- **میراث:** میراث میت کے چھوڑے ہوئے ترکہ کو کہتے ہیں، یہاں مراد وہ ترکہ ہے، جو شوہر نے اپنے انتقال کے وقت چھوڑا ہو، اس میں دوسرے ورثاء کے ساتھ ساتھ بیوی

---

(٥٦) الجوهرة النيرة: ١/ ٣٢٤

(۵۷) مستفاد از: کتاب الفتاوی: ۶/ ۳۱۰ و ۳۱۲

کا بھی حق ہے،شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کو جو کچھ بھی ملے گا،اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- بیوی کے ساتھ ساتھ شوہر کے بچے بھی ورثاء میں ہوں، ایسی صورت میں بیوی کو ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

۲- بیوی کے ساتھ شوہر کے بچے ورثاء میں نہ ہوں، خواہ دوسرے دیگر ورثاء موجود ہوں، ایسی صورت میں بیوی کو ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا۔

ترکہ ملنے کی ان دونوں شکلوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّاتَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّاتَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍتُوصُونَ بِهَاأَوْ دَيْنٍ. (النساء: ۱۲)

بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ میں سے اولاد کی غیر موجودگی میں ربع (چوتھائی حصہ) ہے اور اولاد کی موجودگی میں ثمن (آٹھواں حصہ) ہے وصیت اور قرض کی تکمیل کے بعد۔

شوہر کے انتقال کے بعد اس کے مال میں بیوی کا لازمی حصہ ہے،جس کو علاحدہ کر کے دینا شوہر کے گھر والوں پر ضروری ہے،نہ دینے کی صورت میں وہ گناہ گار ہوں گے۔

بیوی کے فرائض

شریعتِ اسلامی نے جس طرح بیویوں کے حقوق بتلائے ہیں،اسی طرح ان کے اوپر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں،جنھیں ہم ''فرائض'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دراصل شوہر کے حقوق ہیں،جن کی ادائے گی بیوی پر اسی طرح ضروری ہیں،جس طرح بیوی کے حقوق کی ادائے گی شوہر پر ضروری ہیں،ان کے حقوق جان لینے کے بعد آیئے اب ان کے ذمہ عائد ہونے والے فرائض کو

بھی دیکھتے ہیں، یہ فرائض دو طرح کے ہیں:

(۱) لازمی فرائض۔ (۲) اخلاقی فرائض۔

لازمی فرائض

لازمی فرائض (یعنی جس کے انجام دئے بنا چارہ نہیں) کیا کیا ہیں؟ اس کے جاننے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود فرض کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے؛ تاکہ اس کی انجام دہی میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

'فرائض' عربی زبان کا ایک لفظ ہے، جو 'فریضۃٌ' کی جمع ہے، اس کے معنی ''وہ کام، جس کا کرنا ضروری ہو'' کے آتے ہیں، اصطلاح میں فرائض سے مراد ''وہ امور ہیں، جن کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ضروری قرار دیا ہے'' (۵۸)، فرائض کی تعریف سے ہمیں جو سب سے اہم بات معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ ''اس کا کرنا ضروری ہے''، کئے بنا چھٹکارہ نہیں، اگر کوئی شخص اس کو انجام نہیں دیتا ہے تو اس شخص کی طرح ہی گناہ گار ہوگا، جس طرح فرض نماز چھوڑنے والا گناہ گار ہوتا ہے، لہٰذا فرائض کی ادائے گی میں کوتاہی ہرگز نہ کی جائے۔

فرائض کی حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد آیئے اب فرائض کی فہرست پر بھی نظر ڈالتے چلیں؛ تاکہ کوئی بھی فرض ہم سے چھوٹنے نہ پائے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے لازمی فرائض کو ذکر کیا جائے گا، لازمی فرائض سے مراد یہ ہے کہ ان کی ادائے گی نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں پوچھ ہوگی اور نہ کرنے کی وجہ سے عام اصول کے مطابق سزا بھی دی جائے گی، لازمی فرائض درج ذیل ہیں:

۱- **شوہر کی اطاعت**: اللہ تعالیٰ کے بعد دنیا میں عورت کے لئے سب کچھ

(۵۸) قواعدالفقه لعميم الاحسان المجددی، ص۴۱۰

شوہر ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لو كنتُ آمراً أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها(٥٩).

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی شخص کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

یعنی سجدہ تو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے درست ہی نہیں، اگر ایسی کوئی اجازت ہوتی تو سب سے پہلے شوہر کو یہ حق حاصل ہوتا کہ اسے سجدہ کیا جائے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد شوہر کی بات ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بیوی پر ضروری ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

وفی هذا غاية المبالغة لوجوب إطاعة المرأة فی حق زوجها، فإن السجدة لاتحل لغير الله(٦٠).

اس میں انتہائی مبالغہ سے بتلایا گیا ہے کہ بیوی کے لئے شوہر کے حق میں اطاعت ضروری ہے؛ کیوں کہ سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شوہر کی اطاعت کن چیزوں میں ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل امور بتلائے گئے ہیں:

(الف) استمتاع میں: استمتاع کے معنی ''فائدہ اٹھانے اور لطف اندوز ہونے'' کے ہیں، یہاں استمتاع سے مراد ''جماع اور اس کے مقدمات'' ہیں، یعنی میاں بیوی کا آپس میں خصوصی تعلق قائم کرنا اور اس کے لئے مس ولمس اور بوس وکنار کے ذریعہ لطف اندوز ہونے کو نکاح کے

---

(٥٩) سنن الترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث نمبر:١١٥٩

(٦٠) مرقاة المفاتیح، باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق، الفصل الثانی: ٣٦٩/٦

باب میں ''استمتاع'' سے تعبیر کرتے ہیں؛ چنانچہ اگر شوہر بیوی کو اپنے پاس بلائے اور بیوی معذور نہ ہو تو شوہر کی بات مان کر اس کے پاس جانا ضروری ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته، وإن كانت على التنور (٦١).

جب شوہر بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو اسے ضرور آنا چاہیئے، اگرچہ کہ وہ تنور (چولہے) پر ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ مناویؒ لکھتے ہیں:

فالمراد: أنه يلزمها أن تطيعه، وإن كانت في شغل لا بد منه حيث لا عذر كحيض، ولا إضاعة مال كاحتراق خبز (٦٢).

مراد یہ ہے کہ بیوی پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے، اگرچہ وہ کسی ضروری کام میں مشغول ہو؛ البتہ عذر نہ ہونا چاہیئے، مثلاً: حیض، یا مال کا ضیاع، جیسے: روٹی کا جلنا۔

یعنی اگر عذر نہ ہو اور مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو خواہ کتنا ہی ضروری کام میں بیوی کیوں نہ مشغول ہو، شوہر کے بلانے پر ان تمام کو چھوڑ کر آنا ضروری ہے؛ حتی کہ ابن ملکؒ کے بقول:

اگر روٹی شوہر کے لئے بنارہی ہو اور شوہر اسے آواز دے تو روٹی کے جلنے کی پرواہ کئے بغیر جائے؛ کیوں کہ اس وقت بلانے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنے مال کو ضائع کرنے پر بھی راضی ہے

(٦١) سنن الترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث نمبر: ١١٦٠

(٦٢) التيسير بشرح الجامع الصغير، حرف الهمزة: ٦٨/١

اور کیوں نہ ہو کہ شوہر کے زنا میں مبتلا ہونے کے مقابلہ میں اس
کا مال ضائع ہونا بہتر ہے (۶۳)۔

اگر بیوی اس مسئلہ میں اپنے خاوند کی اطاعت نہیں کرتی ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ گناہ گار ہوگی؛ بل کہ فرشتوں کی لعنت بھی اس پر پڑے گی، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

إذادعاالرجل امرأته إلى فراشه، فأبت أن تجئ، لعنتهاالملائكة؛
حتى تصبح (٦٤).

جب شوہر بیوی کو بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کردے تو
فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک خاتون اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور استفسار کیا کہ بیوی پر شوہر کا کیا حق ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا:

لاتمنعه نفسها، وإن كانت على ظهرقتب (٦٥).

اپنے نفس کو نہ روکے، اگر چہ کہ وہ اونٹ کی پیٹھ پر سفر کر رہی ہو۔

چوں کہ شادی کا ایک اہم مقصد نفسانی خواہش کی تکمیل کر کے گناہ سے بچنا بھی ہے؛ اس لئے احادیث میں شوہر کی طرف سے استمتاع کی دعوت پر لبیک کہنے کے سلسلہ میں اتنی تاکید وارد ہوئی ہے، اب اگر بیوی بغیر کسی عذر کے آنے سے انکار کردے تو ظالم اور گناہ گار ہوگی، یحي بن ہبیرہ شیبانیؒ لکھتے ہیں:

في هذاالحديث من الفقه: أن الرجل إذا دعاامرأته إلى فراشه
فامتنعت، كانت ظالمة بمنعهاإياه حقه، فتكون عاصية لله بمنع

(٦٣) مرقاة المفاتيح، باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق، الفصل الثاني: ٣٦٩/٦
(٦٤) صحيح البخاري، باب إذاباتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حدیث نمبر: ٣٩١٥
(٦٥) السنن الكبرى للبيهقي، باب ماجاء في بيان حقه عليها، حدیث نمبر: ١٤٧١٣

الحق……(٦٦).

اس حدیث میں مفہوم یہ ہے کہ مرد جب بیوی کو بستر پر بلاتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے تو اپنے کو اس سے روک کر اس کے حق کے سلسلہ میں ظلم کرنے والی ہوتی ہے اور اس طرح وہ حق کو روکنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمان ہوجاتی ہے……(اسی وجہ سے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں)۔

(ب) گھر سے باہر جانے میں: دوسراامر، جس میں بیوی کے لئے شوہر کی بات ماننا ضروری ہے، وہ گھر سے باہر جانے کے سلسلہ میں ہے، بیوی کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانا درست نہیں؛ حتی کہ سفر حج کے لئے بھی اجازت ضروری ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک خاتون کے استفسار پر شوہر کے حقوق کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

……وأن لاتخرج من بيته؛إلابإذنه(٦٧).

اس کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر نہ نکلے۔

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

فإن أعطاهاالمهر، ليس لهاالخروج إلابإذن الزوج(٦٨).

اگر شوہر نے مہر عطا کر دیا ہے تو اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا درست نہیں۔

---

(٦٦) الإفصاح عن معاني الصحاح: ٢٠٧٧/٧
(٦٧) مسندابی داودالطیالسی، حدیث نمبر: ٢٠٦٣
(٦٨) فتح القدیر،کتاب النفقة: ٣٥٨/٤

تاہم چند امور ایسے ہیں، جن میں بیوی کو گھر سے نکلنے کی اجازت دینی چاہئے، وہ امور درج ذیل ہیں:

۱- والدین کی زیارت، عیادت، اور تعزیت کے لئے۔

۲- محرم رشتہ داروں کی زیارت کے لئے۔

۳- مجلس علم میں شرکت کے لئے۔

بعض امور ایسے ہیں، جن میں شوہر کی اجازت کے بغیر بھی نکلنے کی گنجائش ہے، وہ امور درج ذیل ہیں:

۱- اگر بیوی دائی یا میت کو غسل دینے کا کام کرتی ہو۔

۲- اگر بیوی کا کسی کے اوپر کوئی حق ہو یا بیوی پر کسی کا حق ہو۔

۳- مہر کی ادئے گی سے قبل ضروریات اور قریبی رشتہ داروں کی زیارت کے لئے۔

۴- مسئلہ پوچھنے کے لئے، اگر شوہر پوچھ کر نہ بتائے۔

۵- حج فرض کے لئے، اگر محرم ساتھ میں ہو ـــــ ان تمام امور میں شوہر کی اجازت کے بغیر بھی باہر جانے کی گنجائش ہے(۶۹)۔

البتہ جن مواقع پر بھی باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، خواہ شوہر کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے، ان میں درج ذیل شرطوں کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱- زیب وزینت کے بغیر ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ .(الأحزاب: ۲۳)

---

(٦٩) الدرر المباحة فی الحضر والإباحة، لخليل بن عبدالقادر النحلاوی، الباب الخامس: فی الأخلاق، والصفات الذميمة، وغوائلها، مطلب فی المواضع التی يجوز للرجل أن يأذن لامرأته بالخروج إليها: ١/ ٢٧٢، تبيين الحقائق، باب النفقة: ٥٨/٣، فتح القدير: ٣٥٨/٤

پہلی جاہلیت کی طرح غیر مردوں کو بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو۔

۲- ساتر لباس پہن کر ہو؛ کیوں کہ خاتون کا پورا جسم عورت (چھپانے کے لائق) ہے، لہٰذا جسم کا کوئی حصہ (سوائے ہتھیلی کے) ظاہر کرنا درست نہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

ولا خلاف أن غيرهن (أى: أزواج النبى ﷺ) يجوز لهن أن يخرجن لمايحتجن إليه من أمورهن الجائزة بشرط أن يكن بذة الهيئة، خشنة الملبس، تفلة الريح، مستورة الأعضاء، غير متبرجات بزينة، ولا رافعة صوتها (۷۰).

اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ خواتین کے لئے جائز امور کی ضرورت سے نکلنا درست ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ پراگندہ، کھردرے کپڑے میں ملبوس، بے خوشبو ہو، اعضاء ڈھکے ہوئے ہوں، زیب وزینت کے بغیر اور آواز بلند کرنے والی نہ ہو۔

۳- خوش بو کے بغیر ہو؛ کیوں کہ خوش بو لگا کر نکلنے کو منع کیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

إذا شهدت إحداكن المسجد، فلا تمس طيباً (۷۱).

جب تم میں سے کوئی مسجد حاضر ہو تو خوش بو استعمال نہ کرے۔

دوسری حدیث میں خوشبو لگا کر نکلنے والی خاتون کو 'زانیہ' قرار دیا گیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۷۰) عمدة القاری: ۱۲۵/۱۹

(۷۱) صحيح ابن خزيمة، باب الزجر عن شهود المرأة المسجد متعطرة، حدیث نمبر: ۱۶۸۰

أيما امرأة استعطرت، فمرت على قوم ليجدوا ريحها، فهي زانية، وكل عين زانية(۷۲).

جوعورت خوش بولگا کرکسی قوم کے پاس سے اس لئے گزرے کہ وہ لوگ خوش بومحسوس کریں تو یہ عورت زانیہ ہے اور ہر آنکھ زانیہ ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے خوش بولگا کر نکلنا صرف درست ہی نہیں ؛ بل کہ سخت گناہ کا باعث بھی ہے۔

۴- اگر مسافتِ سفر (سواسٹتر کلومیٹر) تک جانا ہوتو محرم بھی ساتھ میں ہو، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لايحل لامرأة مسلمة تسافر مسيرة ليلة؛ إلاومعها رجلٌ ذو حرمة منها(۷۳).

کسی مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک رات (ودن) کی مسافت کا سفر کرے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم شخص ہو۔

۵- راستہ مامون ہو، اگر راستہ غیر مامون ہوتو عورت کا نکلنا درست نہیں، شیخ صالح عبدالسمیع الآبی الازہری لکھتے ہیں:

وأن تكون الطريق مأمونة من توقع المفسدة؛ وإلاحرم(۷٤).

(شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ) راستہ فساد کے وقوع سے مامون ہو، ورنہ نکلنا حرام ہوگا۔

۶- بذاتِ خود اس عورت کے نکلنے سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اگر اس کے نکلنے سے فتنہ

(۷۲) صحيح ابن خزيمة، باب الزجرعن شهودالمرأة المسجدمتعطرة، حدیث نمبر: ۱۶۸۱

(۷۳) سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۱۷۲۳، مسنداحمد، حدیث نمبر: ۷۲۲۲

(۷٤) جواهرالإكليل: ۸۱/۱

کا اندیشہ ہوتو نکلنا درست نہیں، احمد بن غنیم بن سالم ازہری لکھتے ہیں:

ولایخشی من خروجها الافتتان بها(٧٥).

اس کے نکلنے سے فتنہ کا خوف نہ ہو۔

اگر ان شرطوں کوملحوظ رکھ کر عورت نکلتی ہے تو بیان کردہ امور کے لئے نکلنا درست ہے، ورنہ نہیں۔

(ج) نوافل کی انجام دہی میں: تیسرا امر، جس میں شوہر کی اطاعت ضروری ہے، وہ 'نوافل کی انجام دہی' ہے، اگر شوہر گھر پر موجود ہوتو بیوی کے لئے درست نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر ایسے نوافل کا اہتمام کرے، جس کی وجہ سے شوہر کو پریشانی لاحق ہوجائے؛ کیوں کہ شوہر کے حق کی ادائے گی واجب ہے اور واجب کی ادائے گی نفل کی ادائے گی سے زیادہ ضروری ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لاتصوم المرأة وبعلهاشاهد؛ إلابإذنه(٧٦).

شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر بیوی روزہ نہ رکھے۔

ایک دوسری حدیث میں 'نفل' کی صراحت کے ساتھ اس طرح وارد ہوئی ہے:

لاتصوم المرأة يوماً تطوعاً في غيررمضان، وزوجهاشاهد؛ إلابإذنه(٧٧).

رمضان کے علاوہ کسی دن شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر بیوی نفلی روزہ نہ رکھے۔

جمہور علماء کے نزدیک روزہ نہ رکھنے کا یہ حکم لازمی ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

(٧٥) الفواكه الدواني: ٢/٤٠٩

(٧٦) صحيح البخاری، باب صوم المرأة بإذن زوجها تطوعاً، حدیث نمبر: ١٩٢

(٧٧) سنن الدارمی، باب النهی عن صوم المرأة تطوعاً إلا بإذنه، حدیث نمبر: ١٧٦١

وَدلت روایة الباب علی تحریم الصوم المذکور علیها، وهو قول الجمهور (۷۸).

بیوی پر مذکورہ روزہ کے حرام ہونے پر روایت الباب دلیل ہے۔

(د) شوہر کا مال کسی کو نہ دینے میں: چوتھا امر، جس میں شوہر کی بات ماننا ضروری ہے، وہ 'شوہر کا مال کسی کو نہ دینا' ہے، یعنی جس مال کی پوری ملکیت شوہر کو حاصل ہو، اس مال میں اس کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے تصرف کرنا درست نہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

ألا لا یحل لامرأة أن تعطی من مال زوجها شیئا؛ إلا بإذنه (۷۹).

سن لو، کسی خاتون کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

(ھ) فرائض کی ادائے گی میں: پانچویں چیز، جس میں شوہر کی بات ماننی ضروری ہے، وہ 'فرائض کی ادائے گی' میں ہے، اگر شوہر فرائض کی ادائے گی کا حکم دے رہا ہے تو اس کی ادائے گی ضروری ہے، جیسے: نماز و روزہ کی تلقین، اگر ان امور میں بیوی شوہر کی بات نہیں مانتی ہے تو شوہر کو حق تادیب حاصل ہے، ابراہیم حلبیؒ لکھتے ہیں:

وکذا الزوج له أن یضرب زوجته علی ترک الصلاة والغسل فی الأصح (۸۰).

اسی طرح شوہر کو حق ہے کہ وہ بیوی کو نماز اور غسل (فرض) کے ترک پر مارے۔

---

(۷۸) فتح الباری، باب لا تأذن المرأة فی بیت زوجها لأحد: إلا بإذنه، حدیث نمبر: ۵۱۹۲

(۷۹) مسند أبی داود الطیالسی، حدیث نمبر: ۱۲۲۳، السنن الکبری للبیهقی، حدیث نمبر: ۷۸۵۶

(۸۰) حلبی صغیر، ص: ۲۷۰

(ط) حرام امور سے بچنے میں: چھٹی چیز، جس میں شوہر کی بات ماننی ضروری ہے، وہ 'حرام سے بچنے میں' ہے، اگر شوہر حرام چیزوں سے بچنے کا حکم دے تو اس کی بات ماننا ضروری ہے، جیسے: بے پردگی سے روکے تو رکنا ضروری ہے، اگر بیوی اس سلسلہ میں شوہر کی بات نہ مانے تو وہ گناہ گار ہوگی۔

مذکورہ امور وہ ہیں، جن میں شوہر کی اطاعت بیوی پر لازم ہے، اطاعت نہ کرنے کی صورت میں وہ گناہ گار ہوگی؛ البتہ اگر شوہر شریعت کے خلاف کسی کام کو انجام دینے کا حکم دے تو ایسی صورت میں بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم نہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره مالم يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية، فلاسمع عليه ولاطاعة(۸۱).

پسندیدہ وناپسندیدہ چیزوں میں مسلمان شخص پر اس وقت تک سمع وطاعت لازم ہے، جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے، اگر گناہ کا حکم دیا گیا تو سمع وطاعت لازم نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاطاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل(۸۲).

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں ہوگی۔

لہٰذا اگر شوہر شریعت کے خلاف کسی بات کا حکم دے تو بیوی کے لئے شرعی طور پر اس کا ماننا درست نہیں۔

۲- عزت وعصمت کی حفاظت: عورت کے لئے سب سے قیمتی شئی اس کی عزت

(۸۱) سنن الترمذی، باب ماجاء لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، حدیث نمبر: ۱۷۰۷
(۸۲) مسنداحمد، حدیث نمبر: ۱۰۹۵

ہوتی ہے، اسی عزت کی حفاظت کے لئے ہی بالغ ہونے کے بعد شادی کی سنت ادا کی جاتی ہے، شادی کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حصار بندی خواہش کی تکمیل کے جائز طریقہ سے کردی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ پر خواہش کی تکمیل کرنا شناعت اور جرم دونوں اعتبار سے کئی گنا بڑھا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ شادی کے بعد بدکاری کی صورت میں ''سنگ سار'' کرنے کی سزا متعین کی گئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا کہ اس نے زنا کیا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

اذهبوا به فارجموه(٨٣).

اس کو لے کر جاؤ اور سنگ سار کردو۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

ألاوإن الرجم حق على من زنى وقداحصن، إذاقامت البينة، أوكان الحبل، أوالاعتراف(٨٤).

سنو! شادی شدہ زنا کرنے والے کے لئے رجم کی سزا برحق ہے، جب کہ گواہی قائم ہوجائے، یا حمل ظاہر ہوجائے یا وہ اعتراف کرلے۔

شادی کے بعد عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی عزت صرف اپنے شوہر کے حوالہ کرے، کسی اور کے سامنے ہرگز ہرگز اپنی عزت نیلام نہ کرے، اللہ کے رسول ﷺ نے عورت کے اس لازمی ذمہ داری کو بتلاتے ہوئے فرمایا:

ولكم عليهن أن لايوطئن فرشكم أحداتكرهونه(٨٥).

---

(٨٣) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ٧١٦٧

(٨٤) صحيح البخاری، حدیث نمبر: ٦٨٢٩

(٨٥) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ١٢١٨

تمہارا ان (بیویوں) پر حق یہ ہے کہ وہ اپنے بستروں کو کسی ایسے شخص سے نہ رُندوائیں، جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔

یعنی کسی اجنبی شخص (غیر محرم) کو ہرگز اپنے گھر آ کر اپنے بستروں پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیں، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

فإن معناه : أن لا يأذن لأحد من الرجال يدخل فيتحدث إليهن(٨٦).

اس کے معنی یہ ہیں کہ مردوں میں سے کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دیں کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرے۔

جب اجنبی (غیر محرم) کے لئے گھر کے اندر لانے کی اجازت نہیں تو اس کے پاس عزت نیلام کرنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ لہٰذا عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرے کہ اب صرف تنہا اس کی عزت نہیں رہی؛ بل کہ اس کے شوہر کی عزت بھی بن چکی ہے؛ حتی کہ اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی غیر محرم کو گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دیدے تو شوہر کو شریعت کی طرف سے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی تادیب کرے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

فإن فعلن ذلک فاضربوهن ضرباً غير مبرح(٨٧).

اگر وہ دوسروں کو گھر آنے کی اجازت دیں تو انہیں چوٹ نہ پہنچانے والی مار مارو۔

۳- رضاعت (بچہ کو دودھ پلانا): عورت کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے، اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

---

(٨٦) معالم السنن: ٢/٢٠٠

(٨٧) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ١٢١٨

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ. (البقرة: ٢٣٣)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔

یہ ذمہ داری واجبی ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ درج ذیل صورتوں میں اس ذمہ داری کا ادا کرنا واجب بن جاتا ہے:

ا- ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی کوئی دوسری خاتون موجود نہ ہو۔

۲- بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ نہ پیتا ہو —— امام رازیؒ لکھتے ہیں:

هذا إذا لم يبلغ الحال في الولد إلى حد الاضطرار بأن لا يوجد غير الأم، أو لا يرضع الطفل إلا منها، فواجب عليها عند ذلك أن ترضعه (٨٨).

عدم وجوب کا حکم اس وقت تک ہے، جب تک بچہ کی حالت اضطراری کیفیت تک نہ پہنچے؛ لیکن اگر بچہ کی حالت اضطراری کیفیت تک پہنچ جائے، جیسے: دودھ پلانے والی ماں کے علاوہ کوئی نہ ہو، یا بچہ ماں کے علاوہ کسی کا دودھ نہ پیتا ہو، ایسی صورت میں بیوی پر واجب ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے۔

۳- اسی طرح باپ اتنا تنگ دست ہو کہ بچہ کے دودھ کی اجرت ادا نہ کر سکتا ہو —— علامہ شامیؒ فتاوی خانیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وإن لم يكن للأب ولا للولد مال تجبر الأم على إرضاعه عند الكل (٨٩).

اگر باپ اور بچہ کے پاس مال نہ ہو تو بالاتفاق ماں کو بچہ کے دودھ

(٨٨) مفاتح الغيب: ٤٦٩/٦

(٨٩) رد المحتار، مطلب في إرضاع الصغير: ٣٤٧/٥

پلانے پر مجبور کیا جائے گا۔

۴- **سوگ:** جب مرد و عورت رشتۂ زواج میں منسلک ہوجاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے لئے لباس بن جاتے ہیں، ہر ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کا جیون ساتھی اگر دنیا سے چلا جائے تو فطری طور پر غم ہوگا، اس غم کو ہلکا کرنے اور رحم کی فراغت کے لئے شریعت نے بیوی پر سوگ کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّـذِيْـنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً. (البقرة:٢٣٤)

اور تم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن انتظار میں رکھیں گی۔

نیز اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لايحل لامرأة أن تؤمن بالله واليوم الآخر، أن تحد على ميت فوق ثلاث؛ إلا على زوج، فإنها تحد عليها أربعة أشهر وعشراً(٩٠).

کسی ایسی عورت کے لئے جائز نہیں، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے شوہر کے، کہ اس کے لئے چار مہینے دس دن سوگ منائے گی۔

شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن کا یہ سوگ منانا شرعی اعتبار سے بیوی پر واجب ہے، علامہ ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

ونص التنزيل أن الإحداد على ذوات الأزواج أربعة أشهر وعشراً

(٩٠) صحيح البخاری، باب إحداد المرأة على غير زوجها، حدیث نمبر: ١٢٨٠

واجب(۹۱).

قرآن اس بات پر دلیل ہے کہ شوہر والیوں پر چار مہینے دس دن سوگ منانا واجب ہے۔

اخلاقی فرائض

کچھ امور وہ ہیں، جو بیوی پر اخلاقی اعتبار سے واجب ہیں، ان اخلاقی ذمہ داریوں کی ادائے گی سے نہ صرف یہ کہ میاں بیوی کے تعلقات مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں؛ بل کہ سسرال میں بھی اس کی ساکھ مضبوط ہوتی ہے، سسرال کے لوگ اس سے خوش رہتے ہیں اور جب سارا سسرال ہی خوش رہے تو لازماً اسے بھی کسی قسم کی کوئی پریشانی اٹھانی نہیں پڑے گی، اخلاقی اعتبار سے واجب ہونے والی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

۱- **شوہر کی خدمت**: بیوی کو شریعت نے 'کام والی' بنا کر شوہر کے سر نہیں منڈھا ہے؛ بل کہ اس کی حیثیت تو ایک ملکہ کی ہے اور جب وہ ملکہ ہے تو 'خدمت' اس کے ذمہ واجب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کی خدمت نہ کرنے پر مقدمہ دائر کرے تو اس کی شنوائی نہیں ہوگی؛ لیکن یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ 'خدمت' دل جیتنے کا سبب ہوا کرتی ہے؛ حتی کہ اردو کا مشہور مثل ہے: ''خدمتِ خلق سے خدا ملتا ہے''، معلوم ہوا کہ اگر شوہر کی خدمت کی جائے تو شوہر مکمل طور پر بیوی کو مل جائے گا، خود ازواج مطہرات اپنے شوہر حضور اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں؛ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

أن النبی ﷺ کان إذااعتکف، یدنی إلی رأسه لأرجله(۹۲).

نبی کریم ﷺ جب اعتکاف کرتے تو اپنا سر میرے قریب کرتے؛

---

(۹۱) شرح صحیح البخاری، باب إحدادالمرأة علی زوجها: ۳/ ۲۶۹

(۹۲) مسنداحمد، حدیث نمبر: ۲۵۴۸٤

تاکہ میں کنگھی کروں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كنت أطيب النبي ﷺ بأطيب مايجد؛ حتى أجد وبيص الطيب في رأسه ولحيته(۹۳).

میں رسول اللہ ﷺ کو عمدہ ترین خوشبو ملتی تھی؛ یہاں تک کہ میں آپ کے سر اور ریش مبارک میں خوشبو کی چمک پاتی۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کرنی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے شوہر کی خدمت کو اخلاقی طور پر واجب قرار دیا ہے، مشہور حنفی فقیہ ابن مازہؒ لکھتے ہیں:

قال ابوحنيفة: إذااستأجر الرجل امرأته لتخدمه كل شهربأجر مسمى، لايجوز؛ لأن خدمة الزوج مستحقة على المرأة ديانة لمافيه من حسن المعاشرة(۹۴).

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خدمت کے لئے ماہانہ اجرت پر لے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بیوی پر شوہر کی خدمت حسنِ معاشرت کے اعتبار سے دیانۃً واجب ہے۔

ساس سسر اور دیور ونند کی خدمت

اوپر کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ بیوی پر قانوناً شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں؛ البتہ اخلاقاً واجب ہے اور جب شوہر کی خدمت واجب نہیں تو قانوناً ساس سسر کی خدمت کیسے واجب ہوسکتی ہے؟ ہاں! بسااوقات ساس سسر کی خدمت بھی بیوی پر اخلاقاً واجب ہوجاتی ہے؛ لیکن شوہر اس

(۹۳) صحيح البخاری، باب الطيب فی الرأس واللحية، حدیث نمبر: ۵۹۲۳

(۹۴) المحيط البرهانی، فصل فی الاستئجار للخدمة: ۴۵۱/۷

پر نہ تو بیوی کو مجبور کر سکتا ہے اور نا ہی اس کے ترک پر بیوی کے ساتھ مار پیٹ کرنے کی گنجائش ہے، تاہم بیوی کو ساس سسر کی خدمت سعادت اور اپنے شوہر کا تعاون سمجھ کر کرنی چاہئے، استاذ گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

> شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃ واجب ہوگی، جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے؛ کیوں کہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائے گی میں شوہر کی مدد کرے، شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت عورت پر واجب نہیں — بہر حال! اس مسئلہ میں اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے، نہ یہ درست ہے کہ گھر میں دوسری خواتین کام نہ کریں اور پوری ذمہ داری بہو پر ڈال دیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ بیوی اپنے شوہر اور ضرورت مند ساس سسر کی خدمت سے بھی دامن کش ہو جائے (۹۵)۔

۲- **رضاعت**: بچہ کی صحت کے لئے سب سے مفید غذا ماں کا دودھ ہے؛ لیکن شریعت نے ماں پر لازم نہیں کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اسے دودھ پلائے (سوائے بعض صورتوں کے، جس

(۹۵) کتاب الفتاوی: ۴/ ۴۰۹-۴۱۰

کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے)؛ کیوں کہ نسبت کے اعتبار سے بچہ باپ کا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی دیکھ ریکھ اور غذا پانی کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے، محمد بن احمد سمرقندیؒ لکھتے ہیں:

ثم الأم، وإن كانت أحق بالحضانة، فإنه لايجب عليها إرضاع الصبي؛ لأن ذلك بمنزلة النفقة، ونفقة الولد يختص بها الوالد(٩٦).

پھر ماں، اگرچہ کہ وہ پرورش کی زیادہ حق دار ہے؛ لیکن اس پر بچہ کا دودھ پلانا واجب نہیں کہ یہ نفقہ کے درجہ میں ہے اور بچہ کا نفقہ والد کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

تاہم ماں کا بھی تو ایک گنا اس پر حق ہے؛ اس لئے شریعت نے اخلاقی اعتبار سے اس پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

لأن عليها إرضاعه ديانة(٩٧).

کیوں کہ اس پر اخلاقاً دودھ پلانا واجب ہے۔

۳- **گھریلو کام**: گھریلو کام کاج، جیسے: گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی، کھانا پکانا وغیرہ بھی قانوناً بیوی کی ذمہ داری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی کھانا پکانے سے انکار کردے تو شوہر اس کو مجبور نہیں کرسکتا، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

......ولكنها لاتجبر على ذلك إن أبت، ويؤمر الزوج أن يأتي لها بطعام مهيأ(٩٨).

لیکن انکار کرنے پر بیوی کو کھانا پکانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا؛ بل

(٩٦) تحفة الفقهاء، باب الحضانة: ٢/ ٣٣

(٩٧) فتح باب العناية بشرح النقاية: ٣/ ٤٥٦

(٩٨) بدائع الصنائع، فی بیان مقدارالواجب من النفقة: ٤/ ٢٤

کہ شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ بیوی کے لئے تیار شدہ کھانا لائے۔

البتہ فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے مذکورہ مسئلہ کو دو صورتوں پر محمول کیا ہے:

ا- بیوی کسی وجہ (جیسے: بیماری) سے کھانا نہ بنا سکتی ہو۔

۲- بیوی کا تعلق ایسے خاندان سے ہو، جہاں کی عورتیں کھانا نہیں بناتیں؛ بل کہ خادم کھانا بناتا ہو —— ان دو صورتوں کے علاوہ میں بیوی کو کھانا بنانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے(۹۹)۔

بہر حال! اصل تو یہی ہے کہ یہ امور قانونی اعتبار سے بیوی پر لازم نہیں ہیں؛ لیکن اخلاقی اعتبار سے اس پر ضروری ہے کہ یہ کام بھی انجام دے کہ ان کا تعلق 'خدمت' کے قبیل سے ہے، لہٰذا عام حالت میں ان سے دست کش ہونا درست نہیں، امام ابن مازہؒ لکھتے ہیں:

......ولهٰذا أن أعمال البيت واجبة عليها ديانة(١٠٠).

اسی لئے گھر کے کام اس پر دیانۃً واجب ہیں۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بیوی اگر گھر کے کام کاج کرتی ہے تو گویا اپنا اخلاقی فریضہ ادا کرتی ہے؛ لیکن مرد پر وہ احسان کرتی ہے؛ کیوں کہ قانوناً یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے:

ا- گھر کا سارا کام بہو کے سر پر نہیں ڈالنا چاہئے کہ وہ نوکرانی نہیں ہے؛ بل کہ گھر کے دیگر افراد کو بھی ہاتھ بٹانا چاہئے، اس سے بہو کو حوصلہ ملے گا اور کام کرنے میں اکتاہٹ محسوس نہیں کرے گی۔

۲- جب بہو کا کام کاج کرنا ایک طرح سے مرد پر احسان ہے تو احسان کا بدلہ ضرور دینا چاہئے، اب بدلہ دینے کی دو صورتیں ہیں:

---

(٩٩) بدائع الصنائع، في بيان مقدار الواجب من النفقة: ٢٤/٤

(١٠٠) المحيط البرهاني، الفصل الثالث: في نفقة ذوي الأرحام: ٥٦٤/٣

(الف) زبان سے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيۡدَنَّكُمۡ. (ابراهيم:٧)

اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا۔

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

من لم يشكر الناس، لم يشكر الله(١٠١).

جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔

اس لئے گھر کے افراد کو چاہئے کہ کام کاج کرنے پر بہو کا ضرور شکر ادا کریں۔

(ب) گھر کے بڑے افراد کو چاہئے کہ وہ کبھی کبھار کچھ تحفے تحائف دیں، اس سے جہاں محبت پیدا ہوتی ہے، وہیں قدر دانی کا احساس ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں بہو بڑے سے بڑا کام بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کر ڈالنے کی کوشش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، آمین!

۴- **بچوں کی تربیت:** بچے نسب کے اعتبار سے چوں کہ باپ کے ہوتے ہیں اور اس میں عورت کی بھلائی کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے؛ اس لئے بچوں کی تربیت کی اصل ذمہ داری تو باپ پر ہی عائد ہوتی ہے، اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مانحل والد ولده أفضل من أدب حسن(١٠٢).

کسی والد نے اپنے بچہ کو حسن ادب سے زیادہ بہتر تحفہ نہیں دیا۔

لیکن چوں کہ بچہ کا یک گونہ تعلق ماں سے بھی ہے اور تربیت میں ماں کا جو رول ہوتا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں؛ اس لئے اخلاقی اعتبار سے بچہ کی اچھی تربیت بھی اس کی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(١٠١) سنن الترمذی، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیه، حدیث نمبر: ١٩٥٥

(١٠٢) مسند احمد، حدیث نمبر: ١٥٤٠٣

والمرأة راعية على أهل بيت زوجها وولده ، وهي مسئولة عنهم(۱۰۳).

عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچہ کی دیکھ ریکھ کرنے والی ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ بیوی پر اخلاقی لحاظ سے بچہ کی تربیت اور اس سلسلہ میں فکر کرنا واجب ہے، جس کو ادا نہ کرنے کے نتیجہ میں وہ گناہ گار ہوگی۔

شوہر کے کچھ خاص حقوق

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ جو حقوق بیوی کے ہیں، وہی شوہر کی ذمہ داریاں ہیں اور جو بیوی کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں ہیں، وہ شوہر کے حقوق ہیں، یہاں شوہر کے وہ خاص حقوق ذکر کئے جارہے ہیں، جو بیوی کے فرائض میں سے نہیں ہیں۔

۱- **حق تادیب:** تادیب کے معنیٰ ''ادب سکھانے'' کے ہیں، اس سے مراد شوہر کا وہ حق ہے، جس میں وہ بیوی کی غلطیوں پر مختلف طریقوں سے ادب سکھاتا ہے، فقہائے کرام نے ادب سکھانے کے اعتبار سے حقوق کی دو قسمیں کی ہیں:

(۱) شوہر کے حقوق۔ **(۲)** اللہ تعالیٰ کے حقوق۔

پھر شوہر کے حقوق کے تعلق سے بیوی کی تادیب کے جائز ہونے پر فقہائے کرام کا اتفاق ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

اتفق الفقهاء على أن للزوج تأديب زوجته لنشوزها ومايتصل بالحقوق الزوجية(۱۰۴).

---

(۱۰۳) صحيح البخاری، باب قول الله: وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول، حدیث نمبر: ۷۱۳۸

(۱۰۴) الموسوعة الفقهية، نكاح: ۳۱۵/۴۱

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر کو بیوی کی نافرمانی اور حقوق زوجیت سے متعلق امور میں حق تادیب حاصل ہے۔

البتہ حقوق اللہ میں شوہر بیوی کی تادیب کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے؛ چنانچہ احناف وشوافع کے نزدیک شوہر حقوق اللہ میں بیوی کی تادیب نہیں کرسکتا(۱۰۵)، جب کہ حنابلہ ومالکیہ کے نزدیک کرسکتا ہے(۱۰۶)۔

شوہر اپنے جن حقوق کے سلسلہ میں بیوی کی تادیب کرسکتا ہے، ان میں درج ذیل ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا(۱۰۷):

(الف) وعظ ونصیحت: اگر بیوی شوہر کی اطاعت نہ کرے تو شوہر کو چاہئے کہ سب سے پہلے اسے نرمی کے ساتھ نصیحت کرے اور اسے سمجھائے کہ نیک وصالح بن کر رہو، بدتمیزی کے ساتھ پیش نہ آؤ، اگر یہ نصیحت بیوی کی سمجھ میں آجائے اور وہ اطاعت شعار بن جائے تو بہت اچھی بات ہے، مزید تنبیہ کی ضرورت نہیں۔

(ب) ترکِ تعلق کی دھمکی: اگر وعظ ونصیحت بیوی کی سمجھ میں نہ آئے تو ترکِ تعلق کی دھمکی دے اور کہے کہ دیکھو! اگر تم بات نہیں مانوگی تو میں تم سے دوری اختیار کرلوں گا، نہ تمہارے ساتھ سوؤں گا اور نا ہی جسمانی تعلق قائم کروں گا، اگر یہ دھمکی کارگر ہوجائے تو مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

(ج) ترکِ تعلق: لیکن اگر دھمکی سے کام نہ چلے تو پھر حقیقتاً ترکِ تعلق کرلینا چاہئے، شوہر نہ تو اس کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرے اور نا ہی اس کے ساتھ بستر پر سوئے اور اگر

(۱۰۵) ردالمحتار: ۱۸۹/۳، مغنی المحتاج: ۱۹۳/٤

(۱۰٦) المغنی لابن قدامة: ٤٧/٧، حاشیة الدسوقی: ٣٥٤/٤

(۱۰۷) دیکھئے: بدائع الصنائع، فصل: ولایة التأدیب للزوج إذالم تطعه: ٢/ ٣٣٤

ضرورت پڑے تو بات چیت بھی بند کر دینی چاہئے اور اس کے لئے وقت اور دن کی قید بھی نہیں ہے، شوہر جتنے دن مصلحت سمجھے، اتنے دن گفتگو بند کر سکتا ہے، علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں:

فأما هجران الوالد الولد والزوج الزوجة ومن كان في معناهما، فلا يضيق أكثر من ثلاث، وقد هجر رسول الله ﷺ نساءه شهراً(۱۰۸).

جہاں تک باپ کا بیٹے کے ساتھ اور شوہر کا بیوی کے ساتھ، اسی طرح وہ تمام، جو ان کے ہم معنی ہیں، کے ترکِ تعلق کی بات ہے تو اسے تین دن سے زائد پر تنگ نہیں کیا جا سکتا؛ حالاں کہ خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ ایک مہینہ تک ترکِ تعلق کو قائم رکھا۔

(د) مار پیٹ: اگر ترکِ تعلق سے بھی کام نہ چلے تو اب بیوی کے ساتھ مار پیٹ کرنے کی گنجائش ہے، قرآن مجید کے اندر خود وعظ و نصیحت، ترکِ تعلق اور مار پیٹ کا تذکرہ موجود ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ. (النساء: ٣٤)

اور جن عورتوں (بیویوں) کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو، انھیں نصیحت کرو، بستروں میں چھوڑے رکھو اور انھیں مارو۔

لیکن مار کے لئے ایک دائرہ ہے، جس کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے، چوں کہ عموماً اس سلسلہ میں شوہر کی طرف سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے؛ اس لئے مار کے دائرہ کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا

(۱۰۸) معالم السنن، باب النهي عن التهاجر: ۱۲۲/٤

جا رہا ہے، جس کی طرف خود حضور اکرم ﷺ نے بھی توجہ دلائی ہے، تفصیل یہ ہے:

۱- تکلیف دہ مار نہ مارا جائے؛ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع سے مرد وعورت کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ولكم عليهن أن لايوطئن فرشكم أحدكم تكرهونه، فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضرباً غير مبرح(۱۰۹).

ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ایسے لوگوں سے نہ رندوائیں، جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو غیر تکلیف دہ مار مارو۔

۲- جانوروں اور غلاموں کی طرح نہ مارا جائے؛ چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

بم يضرب أحدكم امرأته ضرب الفحل أو العبد، ثم لعله يعانقها(۱۱۰).

تم میں سے کوئی شخص کیوں اپنی بیوی کو جانور یا غلام کی طرح مارتا ہے؟ پھر شاید کہ اس کے بعد اس کے ساتھ معانقہ کرے۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ صنعانیؒ لکھتے ہیں:

إنها دالة على جواز الضرب، إلا أنه لايبلغ ضرب الحيوانات والمماليك(۱۱۱).

یہ (حدیث) مار کے جواز پر دلالت کرتی ہے؛ البتہ غلاموں اور

---

(۱۰۹) مسلم، باب حجة النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۱۲۱۸
(۱۱۰) بخاری، باب قول الله تعالیٰ: یاأیها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم ......، حدیث نمبر: ۶۰۴۲
(۱۱۱) سبل السلام، باب القسم بین الزوجات: ۳ / ۱۶۵

جانوروں کی طرح نہیں نہ مارا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لایجلد أحدکم امرأته جلد العبد(۱۱۲).

تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلام کے مارنے کی طرح نہ مارے۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

......وأنه ان کان ولابد فلیکن التأدیب بالضرب الیسیر(۱۱۳).

اگر (تادیب میں) مار ضروری ہو تو ہلکی مار سے ہونی چاہئے۔

۳- چہرے پر نہ مارا جائے؛ کیوں کہ یہ اُن نازک اعضاء میں سے ہے، جس سے انسان کا حسن و جمال متعلق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذاقاتل احدکم فلیجتنب الوجه(۱۱٤).

جب تم میں سے کوئی جھگڑا کرے تو چہرے سے بچے۔

اس حدیث کے ضمن میں امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال العلماء: هذاتصریح بالنهی عن ضرب الوجه؛ لأنه لطیف یجمع المحاسن، وأعضاء ه نفیسة لطیفة، وأکثر الادراک بها فقدیبطلها ضرب الوجه وقد ینقصها وقد یشوه الوجه، والشین فیه فاحش؛ لأنه بارزظاهر لایمکن ستره، ومتی ضربه لایسلم من شین غالباً(۱۱۵).

علماء فرماتے ہیں: یہ چہرے پر مارنے کی ممانعت کی صراحت

(۱۱۲) بخاری، باب مایکره من ضرب النساء، حدیث نمبر: ٥٢٠٤
(۱۱۳) فتح الباری، باب مایکره من ضرب النساء: ۹ / ۳۰۳
(۱۱٤) بخاری، باب إذاضرب الوجه فلیجتنب، حدیث نمبر: ۲۵۵۹، مسلم، باب النهی عن ضرب الوجه، حدیث نمبر: ۲٦۱۲
(۱۱۵) شرح النووی علی مسلم، باب النهی عن ضرب الوجه، حدیث نمبر: ۲٦۱۲

ہے؛ کیوں کہ یہ (تمام) محاسن کو جمع کرنے والا عضو ہے، اس کے اجزاء نہایت لطیف و نفیس ہیں، جن کے ذریعہ سے عمومی طور ادراک حاصل ہوتا ہے؛ چنانچہ چہرے پر مارنا یا کلیۃً اس کے حسن کو ختم کردے گا یا اس میں کمی پیدا کرے گا، جب کہ بعض دفعہ اس کی وجہ سے چہرہ بگڑ جاتا ہے، نیز چوں کہ بالکل نمایاں رہنے والا عضو ہے، اس کا بگاڑ واضح ہوگا اور جب بھی چہرے پر مارا جائے گا، بگاڑ سے عموماً خالی نہ ہوگا۔

۴- چہرے کے علاوہ نازک اعضاء جیسے: پیٹ، شرم گاہ، سینہ، کان کا نچلا حصہ، اور اعضائے رئیسہ جیسے: سر، نیز جوڑوں پر بھی نہ مارا جائے، حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ اُن کے پاس ایک شرابی کو لایا گیا تو آپؓ نے کوڑے مارنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اضرب، واعط كل عضو حقه، واتق الوجه والمذاكير (١١٦).

مارو اور ہر عضو کو اس کا حق دو، اور چہرے اور شرم گاہ سے بچو۔

تادیب کے طور پر مارنا ایک قسم کی تعزیر ہے اور تعزیراً مارنے کی صورت میں اعضائے رئیسہ اور نازک اعضاء سے اجتناب ضروری ہے، امام ابوبکر بن علی بن محمد الحدادیمنیؒ لکھتے ہیں:

(إلارأسه ووجهه وفرجه) ......لأن الفرج مقتل، والرأس مجمع الحواس، فربمايختل بالضرب سمعه، أو بصره، أو شمه، أوذوقه، ويجتنب الصدر والبطن ايضاً؛ لأنه مقتل (١١٧).

(سوائے سر، چہرہ اور شرم گاہ کے) ......کیوں کہ شرم گاہ میں مارنا

(١١٦) مصنف ابن ابی شیبه، باب ماجاء فی الضرب فی الحد، حدیث نمبر: ٢٩٢٦٨

(١١٧) الجوهرة النيرة، كتاب الحدود: ٢ / ٢٤١

ہلاکت کا باعث ہوتا ہے، جب کہ سر حواس (خمسہ) کا مرکز ہے؛
چنانچہ سر میں مارنے سے سماعت، بینائی، قوت شامہ، یا پھر ذوقِ
حس کے ختم ہو جانے کا قوی امکان ہے، (نیز) پیٹ اور سینہ پر
مارنے سے بھی بچا جائے؛ کیوں کہ یہ بھی ہلاکت کا باعث ہے۔

علامہ بہوتیؒ لکھتے ہیں:

یجتنب الوجه تکرمةً له، ویجتنب البطن والمواضع المخوفة خوف القتل، ویجتنب المواضع المستحسنة؛ لئلا یشوهها(۱۱۸).

چہرے سے اس کی شرافت اوراحترام کی وجہ سے بچا جائے، اسی
طرح پیٹ اور اُن نازک جگہوں سے بھی بچا جائے، جو ہلاکت کا
باعث ہوتے ہیں، نیز حسن وجمال کی جگہوں سے بھی بچا جائے؛
تاکہ حسن ختم نہ ہو جائے۔

۵- اس بری طرح سے نہ مارا جائے، جس سے بیوی زخمی ہو جائے، یا خون نکل آئے،
یا جسم پر داغ پڑ جائے، یا پھر ہڈی ٹوٹ جائے، چنانچہ فقہائے کرام نے صراحتاً ''ضربِ فاحش''
سے منع کیا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

(ضربا فاحشا)قیدبه؛ لأنه لیس له أن یضربها فی التأدیب ضربا فاحشا، وهو الذی یکسر العظم، أو یخرق الجلد،

---

(۱۱۸) کشاف القناع للبهوتی، فصل فی النشوز: ٤ / ١٨٤، نیز دیکھئے :حاشیة الدسوقی: ٤ / ٣٥٤، رد المحتار: ٦ / ١٣١، المهذب: ٢ / ٨٩، تحریر المقال، ص: ٧٣، الرسالة المفصلة للقابسی، ص: ١٧٠ – ١٧١

أو يسوده(١١٩).

مار کو فاحش سے یہ بتانے کے لئے مقید کیا کہ تادیب میں 'ضرب فاحش' درست نہیں، اور 'ضرب فاحش' یہ ہے کہ اس سے ہڈی ٹوٹ جائے، یا جلد پھٹ جائے، یا کالی ہو جائے۔

٦- ڈنڈے اور چمڑے کے بیلٹ وغیرہ سے نہ مارا جائے؛ بل کہ اس کے لئے پتلی پتلی چھڑیاں استعمال کی جائیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو اپنی قسم پوری کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ. (ص: ٤٤)

اور اپنے ہاتھ میں پتلی چھڑیاں لو، پھر اس سے مارو۔

دراصل حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی اہلیہ کو کسی کام کا حکم دیا، جس کی انجام دہی میں تاخیر ہوگئی اور حضرت داؤد علیہ السلام ناراض ہوئے اور کہا: بیماری سے شفایابی کے بعد میں ضرور سو مار ماروں گا(۱۲۰)—— مارنے کی یہ قسم تنبیہ کے لئے ہی تھی؛ چنانچہ مفسر قرطبیؒ لکھتے ہیں:

تضمنت هذه الآية جواز ضرب الرجل امرأته تأديبا(١٢١).

یہ آیت مرد کا اپنی بیوی کو تادیب کے طور پر مارنے کے جواز کو شامل ہے۔

چوں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ سو مار مارنے سے کہیں زیادہ

(١١٩) ردالمحتار: ٦ / ١٣١، نیز دیکھئے: المجموع: ١٨ / ١٣٨، بلغة السالك لأحمد الصاوی: ١ / ٤٠٧، تحرير المقال، ص: ٧، المغنی: ٩ / ٧٤٤

(١٢٠) تفسیر رازی، بر تفسیر سورۂ ص: ٤٤

(١٢١) الجامع لأحكام القرآن: برتفسير سورۂ ص: ٢١٣/١٥:٤٤

نقصان نہ ہوجائے؛ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ترکیب بتلائی کہ سو'ضغث' لے کر مارو، اس طرح قسم پوری ہوجائے گی، اور ''ضغث'' کسے کہتے ہیں؟ امام ابوبکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:

والضغث هو ملء الكف من الخشب أو السياط أو الشماريخ ونحو ذلك(١٢٢).

''ضغث'' سے مراد مٹھی بھر لکڑی، کوڑے یا پتلی شاخیں ہیں۔

اِس آیت سے جہاں دوسری چیزیں ثابت ہوتی ہیں، وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بطورِ تنبیہ کے پتلی پتلی چھڑیاں استعمال کی جانی چاہئے —— علامہ بہوتیؒ لکھتے ہیں:

يضربها بدرة أو مخراق، وهو منديل ملفوف، لا بسوط ولا بخشب؛ لأن المقصود التأديب وزجرها، فيبدأ فيه بأسهل فأسهل(١٢٣).

اسے (اپنی بیوی کو) معمولی قسم کے کوڑے یا کپڑا موڑ کر مارے، کوڑے اور لکڑی سے نہ مارے؛ کیوں کہ مقصود تادیب اور تنبیہ ہے، لہٰذا سہل سے سہل ترین چیز سے ابتدا کرے۔

''درۃ'' سے مراد کیا ہے؟ علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں:

الدرة بكسر الدال المهملة وتشديد الراء المهملة وفتحها، هي التي يضرب بها، ويشبه أن يكون بدرة الكتاب التي يؤدب بها المعلم صبيانه، فكأنه يشير إلى صغرها(١٢٤).

'دِرَّہ' (دال کے زیر اور راء کی تشدید و فتح کے ساتھ) سے مراد وہ

(١٢٢) احكام القرآن: ٥/٢٥٨

(١٢٣) كشاف القناع: ٤/١٨٥

(١٢٤) عون المعبود، باب فى تزويج من لم يولد: ٦/٩٣

ہے،جس کے ذریعہ مارا جاتا ہے،اور یہ اس 'درۃ الکتاب' (معلمین
کا درہ) کے مشابہ ہوتا ہے،جس سے معلم بچوں کی تادیب کرتے
ہیں،گویا اس کے چھوٹے ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۷- ایسی چیز سے نہ مارا جائے،جس سے بیوی کی توہین ہوتی ہو،مثلاً: جوتے چپل سے نہ مارا جائے؛ چنانچہ امام سرخسی اور ابو الیسر رحمہما اللہ نے سر کے پچھلے حصے پر اہانت کی وجہ سے ہی مارنے کو ناپسند کیا ہے،ابن نجیم مصریؒ ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وذكر ابو اليسر و السرخسى أنه لا يباح التعزير بالصفع؛ لأنه من اعلى مايكون من الإستخفاف، فيصان عنه اهل القبلة، كذا فى المجتبى(١٢٥).

ابو الیسر اور سرخسی (رحمہما اللہ) نے ذکر کیا ہے کہ ''صفع'' (سر کے
پچھلے حصے پر مارنا) درست نہیں؛ کیوں کہ اہانت کی یہ انتہائی قسم
ہے،لہٰذا اہل قبلہ کو اس سے بچایا جائے گا۔

حدیث سے بھی اس کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ نے عورتوں کے حقوق کو بتلاتے ہوئے فرمایا:

ولاتضرب الوجه، ولاتقبح(١٢٦).

اور نہ تو چہرے پر مارو اور نا ہی برا بھلا کہو۔

اس حدیث کے ضمن میں محمد بن صالح بن عثیمینؒ لکھتے ہیں:

(١٢٥) البحرالرائق، فصل فى التعزير: ٥/ ٦٨

(١٢٦) جامع الأصول فى أحاديث الرسول،الكتاب السابع: فى الصحبة، الفرع الثانى: فى حق المرأة على الزوج،حدیث نمبر:٤٧١٩

ویشمل النهی عن التقبیح الحسی والمعنوی(۱۲۷).

برا بھلا کہنے میں حسی اور معنوی کی ممانعت بھی شامل ہے۔

اورظاہر ہے کہ جوتے اور چپل سے مارنا برا بھلا کہنے سے بڑھ کر ہے؛ اس لئے اس کی ممانعت تو بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

۸- ایک ہی جگہ پر مسلسل نہ مارا جائے؛ کیوں کہ اس سے کئی قسم کے نقصانات ہوسکتے ہیں، علامہ ابن مازہؒ لکھتے ہیں:

یجب التفریق علی الأعضاء؛ لئلا تصیر الإقامة فی موضع واحدسببالفسادذلک الموضع(۱۲۸).

(مارتے وقت) مختلف اعضاء پر مارنا ضروری ہے؛ تاکہ ایک ہی جگہ مارنے کی وجہ سے کوئی خرابی لازم نہ آئے۔

۹- انتقامی جذبہ کے تحت یا غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں شوہر راہِ سداد سے دور ہٹ سکتا ہے، جس کے نتیجہ میں بیوی کی تنبیہ مفقود ہوسکتی ہے کہ غصہ آگ کا انگارہ ہوتا ہے، جو اپنے راستہ کی ہر چیز کو راکھ کرسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غصہ کی حالت فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

لایقضینّ حکم بین اثنین وھو غضبان(۱۲۹).

کوئی حاکم (ثالث) غصہ کی حالت ہرگز فیصلہ نہ کرے۔

اس حدیث کے ضمن میں علامہ عینیؒ امام مہلب کے حوالہ سے لکھا ہے:

(۱۲۷) شرح ریاض الصالحین، باب الوصیة بالنساء: ۱/۳۲۷

(۱۲۸) المحیط البرهانی: ۴/۴۹۸، الحاوی فی فقه الشافعی، باب نشوز المرأة: ۹/۵۹۹

(۱۲۹) بخاری، باب هل یقضی القاضی أویفتی، وهوغضبان؟ حدیث نمبر:۷۱۵۸

سبب هذا النهي: أن الحكم حالة الغضب قد يتجاوز إلى غير الحق، فمنع(١٣٠).

اِس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں حد سے تجاوز کر جائے گا؛اس لئے منع کیا گیا ہے۔

اور ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں:

فيه النهي عن الحكم حالة الغضب لمايحصل بسببه من التغير الذي يختل به النظر(١٣١).

اس حدیث میں غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے کی ممانعت ہے؛ کیوں کہ ایسی حالت میں مزاج بدل جاتا ہے، جوغور وفکر میں خلل انداز ہوجاتا ہے(۱۳۲)۔

۲- حقِ طلاق: حق تادیب کی طرح حق طلاق بھی شوہر کا خاص حق ہے، اس حق کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے، جب تادیب سے کام نہ چلے اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہوجائے، ایسی صورت میں طلاق کے ذریعہ سے نکاح کے بندھن کو ختم کرکے دونوں کے لئے ایک نئی زندگی شروع کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے؛لیکن چوں کہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک مبغوض اور ناپسندیدہ چیز ہے،جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

أبغض الحلال إلى الله الطلاق(١٣٣).

---

(١٣٠) عمدة القاري، باب هل يقضي القاضي أويفتي، وهوغضبان؟ حدیث نمبر:٧١٥٨

(١٣١) فتح الباري، باب هل يقضي القاضي أويفتي، وهوغضبان؟١٣/١٣٧

(١٣٢) مار کے سلسلہ میں یہ تفصیل راقم نے اپنی کتاب ''تعلیم وتربیت کے لئے طلبہ کی تادیب'' سے حذف واضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(١٣٣) ابن ماجة، أبواب الطلاق، حدیث نمبر: ٢٠١٨

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں سے ناپسندیدہ ترین چیز طلاق ہے۔

اس لئے بہتر تو یہی ہے کہ یہ سوچ کر اس سے بچا جائے کہ ہر انسان میں کچھ خرابیاں ہوتی ہیں تو اس کے اندر کچھ اچھائیاں بھی ہوتی ہیں، صرف ایک چیز پر نظر کی جائے اور دوسری کی چیز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے، یہ عدل وانصاف کے تقاضہ کے خلاف بات ہے، تاہم یہ بات ضرور ذہن نشین رہنی چاہئے کہ طلاق کی اجازت کے بھی شریعت نے کچھ وجوہات اور اسباب بیان کئے ہیں، جن کا جاننا موجودہ زمانہ میں اس لئے ضروری ہے کہ عمومی طور پر لاعلمی کے نتیجہ میں بات بے بات طلاق دے دی جاتی ہے، پھر ندامت کے آنسو کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

طلاق کے اسباب

پھر طریقۂ طلاق سے بھی ناواقفیت ہونے کی بنا پر لوگ تین سے کم پر راضی نہیں ہوتے؛ اس لئے ذیل میں اسباب ووجوہات کے ساتھ طریقۂ طلاق کو بھی بتلایا گیا ہے؛ تاکہ جس طرح نکاح کا وجود شرعی طور پر ہوا ہے، خاتمہ بھی شریعت کے مطابق ہو، لہٰذا آئیے سب سے پہلے اسباب کو جانتے چلیں۔

شریعت نے درج ذیل اسباب کی بنا پر کسی عورت کو طلاق دینے کی گنجائش دی ہے:

۱- جب بیوی کے اندر دینی بہتری کا فقدان ہو، جیسے: نماز کا ترک کرنا اور بے پردگی وغیرہ، تو ایسی صورت میں طلاق دینا مندوب ہے، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

والرابع: مندوب إليه، وهو عندتفريط المرأة فی حقوق الله الواجبة عليها، مثل الصلاة ونحوها، ولايمكنه إجبارها عليها(١٣٤).

---

(١٣٤) المغنی، فصل: الطلاق خمسة أضرب: ٢٣٥/٨

(طلاق کی) چوتھی قسم: مندوب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے واجب
حقوق میں عورت کی کوتاہی کے وقت طلاق دینا ہے، جیسے:
نماز وغیرہ، جب کہ اس کو مجبور کرنا ممکن نہ ہو۔

۲- جب بیوی کے اندر اخلاقی خرابی پائی جائے، مثلاً: شوہر کے عدم موجودگی میں دوسرے مرد سے تعلق قائم کرنا؛ کیوں کہ عورت پر ضروری ہے کہ وہ اپنی عزت صرف اپنے شوہر کے حوالہ کرے، کسی اور کے سامنے ہرگز ہرگز اپنی عزت نیلام نہ کرے، اللہ کے رسول ﷺ نے عورت کے اس لازمی ذمہ داری کو بتلاتے ہوئے فرمایا:

ولكم عليهن أن لايوطئن فرشكم أحداتكرهونه (۱۳۵).

تمہارا ان (بیویوں) پر حق یہ ہے کہ وہ اپنے بستروں کو کسی ایسے
شخص سے نہ رُندوائیں، جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔

یعنی کسی اجنبی شخص (غیر محرم) کو ہرگز اپنے گھر آ کر اپنے بستروں پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیں، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

فإن معناه : أن لايأذن لأحد من الرجال يدخل فيتحدث
إليهن(۱۳۶).

اس کے معنی یہ ہیں کہ مردوں میں سے کسی کو داخل ہونے کی
اجازت نہ دیں کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرے۔

جب اجنبی (غیر محرم) کے لئے گھر کے اندر لانے کی اجازت نہیں تو اس کے پاس عزت نیلام کرنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ لہٰذا عورت پر فرض ہے کہ وہ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت

---

(۱۳۵) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۲۱۸

(۱۳۶) معالم السنن: ۲/۲۰۰

کرے کہ اب صرف تنہا اس کی عزت نہیں رہی؛ بل کہ اس کے شوہر کی عزت بھی بن چکی ہے؛ حتی کہ اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر کسی غیر محرم کو گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دیدے تو شوہر کو شریعت کی طرف سے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی تادیب کرے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

فإن فعلن ذلک فاضربوهن ضرباً غیر مبرح(١٣٧).

اگر وہ دوسروں کو گھر آنے کی اجازت دیں تو انہیں چوٹ نہ پہنچانے والی مار مارو۔

اور اگر بیوی زنا کاری میں مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں طلاق کی گنجائش تو ہے؛ لیکن پہلے افہام و تفہیم کرے، نہ ماننے کی صورت میں طلاق دینا واجب ہے، محمد بن اسماعیلؒ صنعانی لکھتے ہیں:

ویجری هذا الحکم(أی: حکم الأمة الزانیة)فی الزوجة أنه لایجب طلاقها و فراقها لأجل الزنا؛ بل إن تکرر منها وجب(١٣٨).

(زانی باندی کا حکم) بیوی میں جاری ہوگا کہ زنا کی وجہ سے طلاق اور جدائے گی واجب نہیں ہے؛ بل کہ اگر زنا کا تکرار پایا جائے تو واجب ہے۔

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

والثالث: مباح، وهو عندالحاجة إلیه لسوء خلق المرأة، وسوء عشرتها، والتضرر بها من غیر حصول الغرض بها(١٣٩).

---

(١٣٧) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ١٢١٨

(١٣٨) سبل السلام، باب حدالزانی: ٨/٤

(١٣٩) المغنی، فصل: الطلاق خمسة أضرب: ٢٣٥/٨

(طلاق کی تیسری قسم) مباح ہے، یہ عورت کی بداخلاقی، سوء
عشرت اور اس سے مقصد کی حصول یابی کے بجائے نقصان
اٹھانے کے وقت ہے۔

۳- جب شوہر حقوقِ زوجیت کی ادائے گی سے عاجز ہو جائے، حق زوجیت (یعنی بیوی سے تعلق قائم کرنا) بھی بیوی کا ایک اہم دینی اور ضروری حق ہے، جس کو پورا کرنا آج کے زمانہ میں خوراک و پوشاک کے حق سے زیادہ ضروری ہے، حضور اکرم ﷺ کو بتلایا گیا کہ (حضرت) عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے اس بات کی تصدیق کی، پھر فرمایا:

فلاتفعل، صم وأفطر، وقم ونم، فإن لجسدک علیک حقاً،
وإن لعینک علیک حقاً، وإن لزوجک علیک حقا(۱۴۰).
ایسا مت کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سو
بھی جاؤ، کیوں کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا تم پر
حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اسے بیوی کا ایسا حق تسلیم کیا ہے، جس کے مطالبہ کا پورا استحقاق بیوی کو حاصل ہے، مشہور حنفی فقیہ عثمان بن علی زیلعیؒ لکھتے ہیں:

والوطء حق الزوجة، ولهٰذا کان لها المطالبة به(۱۴۱).
وطی (بیوی کے ساتھ تعلق قائم کرنا) بیوی کا حق ہے، لہٰذا اسے
شوہر سے مطالبہ کا پورا استحقاق ہے۔

---

(۱۴۰) بخاری، باب لزوجك علیك حق، حدیث نمبر:۵۱۹۹
(۱۴۱) تبیین الحقائق، بحث فی العزل:۶/۲۱

یہ حق کس قدر اہمیت کی حامل ہے، اس کا اندازہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے مرتب کردہ قانونی کتاب ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کے قانونِ طلاق کے دفعہ (۷۳) سے لگا سکتے ہیں، جس میں لکھا ہے کہ:

ترکِ مجامعت اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا بھی تفریق کے اسباب میں سے ایک سبب ہے؛ کیوں کہ حقوق زوجیت کی ادائے گی واجب ہے، حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنا اور بیوی کو معلقہ بنا کر رکھنا ظلم ہے اور دفع ظلم قاضی کا فرض ہے، نیز صورت مذکورہ میں عورت کا معصیت میں مبتلا ہونا بھی ممکن ہے، قاضی کا فرض ہے کہ ایسے امکانات کو بند کردے؛ اس لئے اگر عورت قاضی کے یہاں مذکورہ بالا شکایت کے ساتھ مرافعہ کرے تو قاضی تحقیقِ حال کے بعد لازمی طور پر رفع ظلم کرے گا اور معصیت سے محفوظ رکھنے کے مواقع پیدا کرے گا(۱۴۲)۔

۴- بیوی ناشزہ (نافرمان) ہو جائے تو طلاق دینے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے بعد دنیا میں عورت کے لئے سب کچھ شوہر ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لو کنتُ آمراً أحداً أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها(۱۴۳).

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی شخص کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا

(۱۴۲) مجموعۂ قوانین اسلامی، ص:۱۹۲

(۱۴۳) سنن الترمذی، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث نمبر:۱۱۵۹

کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

یعنی سجدہ تو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے درست ہی نہیں، اگر ایسی کوئی اجازت ہوتی تو سب سے پہلے شوہر کو یہ حق حاصل ہوتا کہ اسے سجدہ کیا جائے، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد شوہر کی بات ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بیوی پر ضروری ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

وفی هذا غاية المبالغة لوجوب إطاعة المرأة فی حق زوجها، فإن السجدة لاتحل لغير الله(١٤٤).

اس میں انتہائی مبالغہ سے بتلایا گیا ہے کہ بیوی کے لئے شوہر کے حق میں اطاعت ضروری ہے؛ کیوں کہ سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں۔

اور جب بیوی شوہر کی اطاعت جائز امور میں نہ کرے تو یہ سوء اخلاق کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

۵- جب کسی شرعی بنیاد پر والدین طلاق دینے کے لئے کہیں، تو ایسی صورت میں نہ صرف طلاق دینے کی گنجائش ہے؛ بل کہ واجب ہے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

كانت تحتی امرأة، وكنت أحبها، وكان عمر يكرهها، فقال لی: طلقها، فأبيت، فأتى عمر النبی ﷺ ، فذكر ذلك له، فقال النبی ﷺ: طلقها(١٤٥).

---

(١٤٤) مرقاة المفاتيح، باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق، الفصل الثانی: ٣٦٩/٦

(١٤٥) ابوداود، باب فی برالوالدين، حدیث نمبر: ١٤٠

میرے نکاح میں ایک ایسی عورت تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا، حضرت عمرؓ اسے ناپسند کرتے تھے، بس انھوں نے مجھ سے کہا: اسے طلاق دیدو، میں نے انکار کیا، تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ گوش گزار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے طلاق دیدو۔

غالبًا حضرت عمرؓ کی ناپسندیدگی کی وجہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ''محبت'' تھی، چوں کہ ''**حب الشئ یعمی ویصم**'' ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت عمرؓ کو اس بات سے یہ اندیشہ ہوا ہوگا کہ کہیں یہ محبت اللہ سے غافل کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے؛ اس لئے طلاق دینے کا حکم فرمایا اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس کو درست سمجھا؛ اس لئے انھوں نے بھی طلاق دینے کا ہی حکم فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اگر شرعی سبب کی وجہ سے والدین طلاق پر اصرار کریں تو ان کا یہ اصرار درست اور بیٹے کو ان کی بات ماننا ضروری ہے۔

البتہ بہتر بات یہ ہے کہ اس طرح کی حرکتوں پر پہلے تنبیہ کی جائے، اگر مان جاتی ہے تو فبہا ونعمت، اور اگر نہیں مانتی ہے تو طلاق کی بات کی جائے؛ چنانچہ حضرت وافدؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے آں حضرت ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کا تذکرہ کیا اور کہا:

إن لی امرأة، وذكر من بلائها، فقال: طلقها، قلت: إنها ذات صحبة وولد، قال: فعظها أن يكن فيها خير، فستفعل(١٤٦).

میری ایک بیوی ہے اور اس کی تکلیفوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے

(١٤٦) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ٤٨٣

فرمایا: اسے طلاق دیدے دو، میں نے کہا: وہ بچہ اور صحبت والی ہے،
ارشاد فرمایا: اگر اس کے اندر خیر پا کر نصیحت کر سکتے ہو تو کرو۔

دیکھئے! یہاں پر اللہ کے رسول ﷺ نے مصائب کی وجہ سے طلاق دینے کا حکم فرمایا؛ لیکن جب صحبت اور بچہ کا حوالہ دیا گیا تو نصیحت کرنے کی بات کی، جس معلوم ہوتا ہے کہ فہمائش بھی ہونی چاہئے۔

۶- جب بیوی کے اندر کوئی ایسا عیب یا ایسی بیماری پائی جائے، جس کی وجہ سے مقاصد نکاح کا تحقق نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں بھی بیوی کو طلاق دینے کی گنجائش ہے، علامہ میدانیؒ لکھتے ہیں:

(وإن كان بالزوجة عيب......فلا خيار لزوجها) لمافيه من الضرر بها بإبطال حقها، ودفع ضرر الزوج ممكن بالطلاق (۱۴۷).

اگر بیوی میں عیب ہو تو اس کے شوہر کو (تفریق کا) خیار نہیں ہے کہ اس ایسی صورت میں اس کے حق کو باطل کر کے اس کو نقصان پہنچانا ہے اور شوہر کے ضرر کو طلاق کے ذریعہ دور کرنا ممکن ہے۔

۷- جب دونوں کے مابین ایسا شقاق پیدا ہو جائے، جس میں صلح کی گنجائش باقی نہ رہے تو بیوی کو کالمعلقہ بنا کر رکھنا درست نہیں؛ بل کہ طلاق دے کر آزاد کر دینا بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. (البقرة: ۲۲۹)

---

(۱۴۷) اللباب فی شرح الکتاب، کتاب النکاح: ۱/۲۶۰

پھر رکھنا ہے تو بھلے طریقہ سے رکھ لو، یا چھوڑ دینا ہو تو نیکی اور
احسان کے ساتھ رخصت کردو۔

طلاق دینے کا طریقہ

طلاق کے اسباب جان لینے کے بعد طریقۂ استعمال بھی جاننا چاہئے؛ تاکہ افراط وتفریط کے شکار ہونے سے بچا جاسکے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے حالیہ مجلس عاملہ کی میٹنگ کے بعد قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کو سامنے رکھتے ہوئے ایک **''ضوابط برائے طلاق''** جاری کیا ہے، ہمیں اس کی پابندی کرنی چاہئے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱- اگر شوہر و بیوی میں اختلاف پیدا ہوجائے تو پہلے وہ خود آپسی طور پر ان اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور دونوں اس بات کو سامنے رکھیں کہ ہر انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں اور بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں، لہٰذا شریعت کی روایت کے مطابق ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۲- اگر اس طرح بات نہ بنے تو عارضی طور پر قطع تعلق کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر یہ دونوں طریقے ناکام ہوجائیں تو دونوں خاندان کے باشعور افراد مل کر مصالحت کی کوشش کریں، یا دونوں طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کرکے (Reconciliation and Arbitration) باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔

۴- اگر اس کے باوجود بات نہ بنے تو بیوی کو پاکی کی حالت میں شوہر ایک طلاق دے کر چھوڑ دے؛ یہاں تک کہ ایامِ عدت گزر جائیں، عدت کے دوران اگر مرافقت پیدا ہوجائے تو شوہر رجوع کرلے اور پھر دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گزاریں، اگر عدت کے دوران شوہر نے رجوع نہیں کیا تو عدت کے بعد خود ہی رشتۂ نکاح ختم ہوجائے گا اور دونوں نئی زندگی شروع کرنے

کے لئے آزاد اور خودمختار ہوں گے، اگر بیوی اس وقت حاملہ ہوگی تو عدت کی مدت وضع حمل ہوگی، طلاق دینے کی صورت میں شوہر کو عدت کا خرچ دینا ہوگا اور مہر باقی ہو تو وہ بھی فوراً ادا کرنا ہوگا۔

۵- اگر عدت کے بعد مصالحت ہوجائے تو باہمی رضامندی سے نئے مہر کے ساتھ دونوں تجدیدِ نکاح کے ذریعہ اپنے رشتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔

۶- دوسری صورت یہ ہے کہ بیوی کو پاکی کی حالت میں شوہر ایک طلاق دے، پھر دوسرے ماہ دوسری طلاق دے اور تیسرے ماہ تیسری طلاق دے، تیسری طلاق سے پہلے اگر مصالحت ہوجائے تو شوہر رجوع کرلے اور سابقہ رشتۂ نکاح بحال کرلے۔

شوہر کو ایک ساتھ تین طلاق ہرگز ہرگز نہیں دینی چاہئے؛ کیوں کہ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے ایسے شخص کے خلاف سماجی بائیکاٹ کا مطالبہ کیا ہے؛ چنانچہ اس کی آٹھویں تجویز میں ہے کہ ''مسلم سماج کو چاہئے کہ جو شخص ایک ساتھ تین طلاق دے، اس کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے؛ تاکہ ایسے واقعات کم از کم ہوں''۔

۳- حقِ سفر: اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر بیوی کو اس کے شہر سے منتقل کرکے اس شہر میں لے جائے، جہاں وہ خود رہتا ہے، فقہائے احناف کے درمیان شوہر کے اس حق کے سلسلہ میں اختلاف ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ درج ذیل شرطوں کے ساتھ شوہر کو حق انتقال حاصل ہے:

۱- مہر ادا کر چکا ہو: اگر شوہر نے بیوی کا پورا مہر (خواہ معجّل ہو یا مؤجل) ادا کردیا ہے تو شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو اس شہر کی طرف منتقل کرے، جہاں وہ خود رہائش پذیر ہے؛ لیکن مہر ادا نہیں کیا ہے تو یہ حق حاصل نہیں رہے گا۔

۲- راستہ مامون ہو: بیوی کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانے میں اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ سفر کا راستہ مامون ہو، اگر راستہ غیر مامون ہوگا تو لے جانے کی اجازت

نہیں ہوگی۔

۳- جس شہر میں منتقل کر رہا ہے، وہ شہر مامون ہو: راستہ کے مامون ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شہر اور علاقہ بھی مامون ہو، جہاں بیوی کو لے کر جا رہا ہے، اگر وہ جگہ غیر مامون ہے تو لے جانے کی اجازت نہیں ـــــ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

(ويسافر بها بعد اداء كله)مؤجلاً و معجلاً(إذا كان ماموناً عليها وإلا) يؤد كله، أولم يكن ماموناً(لا) يسافر بها، وبه يفتى كمافى شروح المجمع(١٤٨).

مہر (خواہ معجّل ہو یا مؤجل) کی ادائے گی کے بعد بیوی کو سفر پر لے جاسکتا ہے، جب کہ اس کے لئے مامون ہو، ورنہ مہر پورا دے اور غیر مامون ہونے کی صورت میں اس کو سفر پر نہیں لے جاسکتا۔

۴- **حق اغتسال:** بیوی کا حیض ونفاس اور جنابت سے غسل کرنا شرعی ہونے حق کے ساتھ ساتھ شوہر کا بھی حق ہے کہ اس کے بغیر شوہر کو حق استمتاع سے روکنا لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے شوہر کو اجازت دی ہے کہ وہ بیوی کو غسل پر مجبور کرے، علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

وللزوج إجبار زوجته على الغسل من الحيض والنفاس مسلمة كانت أو ذمية، حرة كانت أو مملوكة؛ لأنه يمنع الاستمتاع الذى هو حق له(١٤٩).

شوہر کے لئے بیوی کو حیض ونفاس سے غسل پر مجبور کرنے کی اجازت ہے، خواہ بیوی مسلمہ ہو یا ذمیہ، اسی طرح خواہ وہ آزاد ہو یا باندی؛ کیوں کہ یہ اس استمتاع سے روکتا ہے، جو اس کا حق ہے۔

---

(١٤٨) الدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/ ٣٦٠

(١٤٩) المغنى، فصل: إجبار زوجته على الغسل من الحيض والنفاس، مسئلہ نمبر: ٥٦٩٤: ٧/ ٢٩٤

البتہ احناف کے یہاں ذمیہ کو غسل پر مجبور کرنے کی گنجائش نہیں، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

ليس للزوج المسلم أن يجبر امرأته الكافرة على الغسل من الجنابة و الحيض والنفاس؛ لأن الغسل من باب القربة، وهى ليست مخاطبة بالقربات(١٥٠).

مسلم شوہر کے لئے گنجائش نہیں کہ وہ اپنی کافرہ (کتابیہ) بیوی کو حیض ونفاس اور جنابت پر غسل کرنے پر مجبور کرے؛ کیوں کہ غسل قربت (نیک عمل، جس سے خدا کی خوشنودی اور قربت حاصل ہو) ہے اور ذمیہ قربات کی مخاطب نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام کو حقوق کو ادا کرنے والا اور فرائض کو انجام دینے والا بنائے، آمین یارب العالمین!!

☆☆☆

(١٥٠) بدائع الصنائع، فصل: جواز وإفسادنكاح أهل الذمة: ٢/ ٢١٠

حضور ﷺ شوہر کے روپ میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا، پھر اس کا بناؤ سنگار کیا، زمین کو پیڑ پودوں سے آراستہ کیا، بلند پہاڑ پیدا کر کے اس کے اندر قوت و طاقت بخشی، نہریں اور میٹھے میٹھے چشمے جاری کر کے اس کے حسن میں اضافہ کیا، آسمان کو چمکتے ہوئے ستاروں سے سجایا، چاند کے ذریعہ سے اسے مزید دل کش بنایا، اور یہ ساری چیزیں صرف اُس کے استقبال کے لئے تھیں، جسے رب العالمین اپنا خلیفہ اور جانشین بنانا چاہتا تھا۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس جانشین کے استقبال کے لئے اس قدر سجاوٹ اور جس خلیفہ کی آمد کے لئے اس طرح سنگار اللہ تعالیٰ نے کیا، اسی جانشین اور خلیفہ کی زندگی کو خوشیوں سے بے بہرہ کیسے رہنے دیتا؟ اُس کی حیات کو کیوں کر بے کیف اور بے سرور ہونے دیتا؟ اور اس کی زندگی شادمانیوں سے خالی رہے، مہربان پروردگار اسے کیوں کر پسند کرتا؟ چنانچہ اسے بھی عقل کی دولت سے مالا مال کیا، ثروت وسطوت عطا کی اور خوشیوں کی انتہائی نعمت ''بیوی'' سے بھی نوازا اور اسے قابلِ سکون اور لائقِ قرار بتایا: ومن آیاته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجاً لتسكنوا إليها. (الروم: ۲۰) ''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے جوڑے بنائے؛ تاکہ تمہیں اُن کے پاس سکون حاصل ہو''۔

حضور ﷺ کو ہمارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے: لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة. (الأحزاب: ۲۱) ''رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے''۔ آپ ﷺ کی یہ مثالیت زندگی کے تمام شعبوں میں ہے۔ اس حیثیت سے آپ ﷺ کی حیات، ازدواجی زندگی میں بھی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ آیئے ہم دیکھتے چلیں کہ آپ ﷺ ہمارے لئے

''شوہر کے روپ''میں کس طرح نمونہ ہیں؟

خاطرداری

مرد کی شادی ایک ایسی عورت سے ہوتی ہے، جودوسرے خاندان، دوسرے محلّہ اور دوسرے کی تربیت میں پلی بڑھی ہوتی ہے، شادی کے بعد وہ ایک ایسے اجنبی ماحول میں آجاتی ہے، جہاں کا کبھی اُس نے خواب بھی نہیں دیکھا ہوتا ہے، جہاں کی ہر چیز نامانوس ہوتی ہے، ایسے وقت میں دلداری کی ضرورت پڑتی ہے، خصوصیت کے ساتھ اس خاتون کے ساتھ، جو کنواری ہو، شادی شدہ خواتین کے ساتھ ایسا معاملہ اس لئے کم پیش آتا ہے کہ وہ کسی قدر سسرالی ماحول سے واقف ہوچکی ہوتی ہیں۔

آپ ﷺ کی تمام بیویوں میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) تنہا کنواری بیوی تھیں؛ چنانچہ آپ ﷺ نے شادی کے بعد یہاں کے ماحول سے مانوس کرنے کے لئے ان کی کافی دل جوئی کی، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) خود فرماتی ہیں: **کنت العب بالبنات عندالنبی ﷺ، وکان لی صواحب یلعبن معی، فکان رسول اللہ ﷺ اذا دخل یتقمّعن منه، فیسرّبهن الیّ، فیلعبن معی** (بخاری، باب الانبساط الی الناس، حدیث نمبر:۶۱۳۰، مسند احمد، حدیث نمبر:۲۵۹۶۸، صحیح ابن حبان، باب اللعب واللهو، حدیث نمبر:۵۸۶۳) ''میں آپ ﷺ کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میرے ساتھ میری سہیلیاں بھی ہوتی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے، تو وہ شرماتیں اور پردہ میں داخل ہوجاتیں، آپ ﷺ انہیں میرے پاس بھیج دیتے تو وہ میرے ساتھ کھیلتیں''۔ علامہ عینیؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ آپ ﷺ کی اس طور پر دل جوئی تھی کہ آپ ﷺ ان کے گڑیوں سے کھیلنے پر راضی تھے اور ان کی سہیلیوں کو ان کے پاس کھیلنے کے لئے بھیجتے تھے'' (عمدۃ القاری، باب الانبساط الی الناس: حدیث نمبر: ۶۱۳۰)

حضرت سودہ بنت زمعہ (رضی اللہ عنہا) تیز مزاج کی تھیں اور دیگر ازواج کے مقابلے میں صحت منداورعمر دراز بھی تھیں، آپ ﷺ نے (کسی وجہ سے) انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو

انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: **لا تطلقنی و امسکنی، واجعل یومی لعائشة.** (ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، حدیث نمبر: ۳۰۴۰، المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۱۷۴۶) **''مجھے طلاق مت دیجئے اور اپنے نکاح میں روکے رکھئے اور میری باری عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دیجئے''**۔ آپ ﷺ نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ایسا ہی کیا اور اُن کو طلاق نہیں دیا۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے دروازے پر کھڑے تھے اور حبش کے لوگ نیزہ بازی کررہے تھے، آپ ﷺ نے اپنی چادر میں مجھے چھپالیا؛ تاکہ میں آپ ﷺ کے کانوں اور گردن کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھ سکوں، آپ ﷺ میری وجہ سے کھڑے رہے ؛ یہاں تک کہ میں خود لوٹ آئی۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۵۳۳۳، مصنف ابن عبدالرزاق، باب اللعب، حدیث نمبر: ۱۹۷۲۱) ----- بیویوں کے ساتھ آپ ﷺ کی دلجوئی اور خاطر داری کی یہ کچھ مثالیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شوہر کی حیثیت سے آپ ﷺ اپنی ازواج کی کس قدر دلجوئی فرماتے تھے۔

آج ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں کہ کتنے ایسے لوگ ہیں، جو اپنی بیوی کی دلجوئی کرتے ہیں؟ ان کی ہر بات کی تردید کیا ہماری ہابی نہیں بن چکی ہے؟ کیا ہم نے انہیں فقط کام کرنے کی مشین تصور نہیں کرلیا ہے؟ اگر وہ کسی بات پر ناراض ہوجائے تو کیا ہمیں اس کی رضامندی کی فکر ہوتی ہے؟ کاش! ہم بھی اپنی بیویوں کے ساتھ آپ ﷺ کا سا سلوک کرتے!!

نفقہ کی ادائے گی

ازدواجی بندھن میں بندھ جانے کے بعد بیوی کا نفقہ ہر مرد پر لازم ہوجاتا ہے، آپ ﷺ اپنی بیویوں کا نفقہ قبل از وقت دے دیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنونضیر سے جو مالِ غنیمت آتا، وہ آپ ﷺ کے لئے خاص تھا اور آپ ﷺ اس سے سال بھر اپنی ازواج پر خرچ کرتے تھے۔ (مسلم، باب حکم الفیئ، حدیث نمبر: ۱۷۵۷)

آج جب ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بہت سارے افراد ایسے نظر آتے ہیں،

جن کی بیویاں کئی کئی سالوں سے میکے والوں کے اخراجات پر اپنا گزر بسر کررہی ہیں، نہ انہیں شوہر کی طرف سے خرچ ملتا ہے اور نا ہی شوہر انہیں اپنے گھر لاتا ہے، ظاہر ہے کہ آج کل کے ہوش ربا گرانی کے زمانے میں وہ خود ہی میکے والوں پر اپنے آپ کو بوجھ سمجھنے لگتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ ذہنی خلجان میں مبتلا ہوکر بسا اوقات خودکشی تک پر اتر آتی ہیں اور خدانخواستہ اگر میکے والے بھی تنگ دستی اور خستہ حالی کے شکار ہوں تو بسا اوقات یہ خواتین بھوک کی آگ کو مٹانے کے لئے غلط راستے اختیار کرنے پر بھی مجبور ہوجاتی ہیں، ایسے شوہروں کو آپ ﷺ کے اِس عمل سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے اوپر لازم ذمہ داری کو ادا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ ''ہر شخص سے اُس کے ماتحت کے بارے پوچھا جائے گا''۔

مشورہ

عورتوں کو مردوں کا حصہ قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **إن النساء شقائق الرجال.** (ترمذی، باب ماجاء فیمن یستیقظ فیری بللا، ولا یذکر احتلاما ،حدیث نمبر:۱۱۳) ''عورتیں مردوں کے ہم مثل ہیں''۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مردوں کو اس بات کا اعتراف ہونا چاہئے کہ عورتیں ان سے کم رتبہ نہیں ہیں۔ بیوی جب اپنے شوہر کے گھر قدم رکھتی ہے تو یہ سوچ کر رکھتی ہے کہ میری حیات اسی کے ساتھ گذرے گی اور میری موت بھی اسی کے گھر میں آئے گی۔ میری خوشیاں اور میرے غموں کا ساتھی یہی میرا شوہر ہے، پھر بیوی ایفائے عہد کا پتلا بن جاتی ہے، مار کھاتی اور مشقت برداشت کرتی ہے؛ لیکن کبھی بھی اپنے شوہر کے خلاف اپنی زبان سے ایک لفظ نکالنا گوارا نہیں کرتی، ایسی بیوی سے گھر کے کسی معاملہ میں اگر گفتگو نہ کی جائے تو اس کے دل پر کیا گزرے گی؟

آپ ﷺ بسا اوقات بہت ہی اہم امور پر بھی اپنی بیویوں سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع سے صحابہ نے گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہوکر آپ ﷺ کے کہنے کے باوجود جب حلق نہیں کرایا تو حضرت امِ سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے آپ ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ

خود حلق کرائیں اور ان سے ایک لفظ کہے بغیر ہدی کے جانور نحر کریں، آپ ﷺ نے ان کے اس مشورہ پر عمل کیا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو حلق کرائے جانور نحر کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے بھی حلق کرالیا اور اپنے ہدی کے جانور ذبح کئے (بخاری، باب الشروط فی الجهاد، حدیث نمبر: ٢٧٣٢)

آج ہمیں غور کرنا چاہئے کہ کیا ہم بھی بیوی کے کسی مشورہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ کیا ہم نے انہیں بے عقل نہیں سمجھ لیا ہے؟ اور ان کی ہر بات کو ردی کی ٹوکری میں ڈالنے نہیں بیٹھ جاتے ہیں؟ کیا ہم نے انہیں وہ حیثیت دی ہے، جو قرآن اور زبانِ نبوت نے دی ہے؟ انہیں مردوں کا ہم مثل قرار دیا گیا ہے، کیا ہم نے انہیں اپنا ہم مثل مانا ہے؟ ہم نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کی کوئی بھی بات قابل اعتنا نہیں ہوتی؛ حالانکہ بہت سارے امور ایسے ہو سکتے ہیں، جن میں ان کی رائے ہی درست ہو؛ اس لئے ان کی ہر بات کو غور کئے بغیر ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالنا چاہئے اور آپ ﷺ کے عمل کو اپنے لئے راہِ عمل بنانا چاہئے۔

باری کی تقسیم

حضور اکرم ﷺ کی زوجیت میں بیک وقت کئی بیویاں تھیں، آپ ﷺ نے ہر ایک کے لئے باری متعین کر رکھی تھی؛ تاکہ کسی بھی بیوی کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہو؛ البتہ آخری عمر میں حضرت سودہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنی باری حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دی تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ ان کے پاس دو دن تشریف لے جاتے تھے۔ (شرح مشکل الاثار، باب بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ ﷺ فی التی کان لایقسم لهامن النساء، حدیث نمبر: ٢٣٦٠)

آج ہمارے معاشرہ میں بہت سارے ایسے افراد ہیں، جو ایک سے زائد شادیاں کر لیتے ہیں؛ لیکن ان کے مابین باری کی تقسیم نہیں کرتے، ایک بیوی کو بالکل کالمعلقہ بنا کر رکھ دیتے ہیں، جب کہ دوسری بیوی کے ساتھ دادِ عیش دیتے رہتے ہیں۔ کاش ایسے لوگ آپ ﷺ کے عمل سے نصیحت حاصل کرتے۔

بیویوں کے مابین عدل

آپ ﷺ کی بیویاں تھیں؛ لیکن کسی کو یہ شکایت کبھی نہیں ہوئی کہ آپ ﷺ ہمارے درمیان عدل نہیں کرتے، خود حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) اپنے بھانجے عروہ کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں: **کان رسول اللّٰہ ﷺ لا یفضل بعضنا علی بعض فی القسم من مکثه عندنا.** (ابوداؤد، باب فی القسم بین النساء، حدیث نمبر:۲۱۳۷) ''رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ٹھہرنے کی تقسیم میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتے تھے''؛ حتی کہ ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی سے مس تک گوارا نہیں فرماتے؛ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کا وقعہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر تشریف فرما تھے، حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) نے آپ ﷺ کی طرف اپنا ہاتھ دراز کیا، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے آگاہ کرتے ہوئے کہا: یہ زینب ہیں، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ (مسلم، باب القسم بین الزوجات......، حدیث نمبر:۱۴۶۲)؛ البتہ آپ ﷺ کا یہ عدل باری، کھانا، کپڑا، رہائش وغیرہ میں ہوتا تھا، تعلق ومحبت کے سلسلہ میں آپ ﷺ خود دعاء فرماتے تھے: **اللّٰهم هذا قسمی فیما املک، فلا تلمنی فیما تملک ولا املک.** (السنن الکبری للبیهقی، باب ماجاء فی قول الله عزوجل :ولن تستطیعوا أان تعدلوا ابین النساء ......، حدیث نمبر:۱۵۱۴۲) ''اے اللہ اس چیز میں یہ میری تقسیم ہے، جس پر میں قدرت رکھتا ہوں، آپ اس چیز پر میری ملامت نہ کیجئے، جس پر آپ قدرت رکھتے ہیں، میں نہیں''۔

ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں، کیا ایسے افراد نہیں ملتے، جو ایک سے زائد بیویاں رکھتے تو ہیں؛ لیکن ان کے درمیان عدل وبرابری کا معاملہ نہیں کرتے؟ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک بیوی کو تو سرآنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے، جب کہ دوسری بیوی کے ساتھ اچھوت جیسا سلوک کیا جاتا ہے؟ ایک بیوی کے لئے تو بہترین رہائش اور دنیاوی آسائشیں مہیا کی جاتی ہیں، جب کہ دوسری بیوی دانے دانے کی محتاج ہوتی ہے؟ ایک بیوی کے لئے تو ہزار دو ہزار سے اوپر کے کپڑے زائد از ضرورت خریدے جاتے ہیں، جب کہ دوسری بیوی کو ڈیڑھ سو روپے والے ضرورت کے کپڑے بھی نہیں

دیے جاتے؟ کاش! ایسے لوگ آپ ﷺ کے عمل سے سبق لیتے اور آپ ﷺ کے اس فرمان پر توجہ دیتے، جس میں بیوی کے درمیان عدل نہ کرنے کی صورت میں وعید و تہدید آئی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: **من کانت له امرأتا ن ، فمال الی أحدهما، جاء یوم القیامة، وشقه مائل.** (سنن الدارمی، باب فی العدل بین النساء، حدیث نمبر: ٢٢٠٦) ''جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف جھک جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا''۔

مار پیٹ سے اجتناب

بیوی بھی ایک انسان ہوتی ہے، لہٰذا انسانیت کے ناتے کبھی کبھی غلطیاں اس سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں، غلطیاں کبھی ایسی ہوتی ہیں کہ انسانی فطرت رکھنے والا شوہر قابو سے باہر ہو جاتا ہے اور بیوی پر ہاتھ چھوڑ بیٹھتا ہے۔ حضور ﷺ کی متعدد بیویاں تھیں، انسانی مزاج رکھنے والی بیویوں سے کیا کیا لغزشیں وجود میں نہیں آتی ہوں گی؟ لیکن قربان جایئے ذات اقدس پر! کیسی بھی غلطی ہوتی، اس کی اصلاح میں کبھی بھی کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں: **ماضرب رسول الله ا خادما ولا امرأة قط.** (ابوداؤد، باب فی العفو والتجاوزفی الامر، حدیث نمبر: ٤٧٨٨، ابن ماجه، باب ضرب النساء، حدیث نمبر: ١٩٨٤) ''آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی خادم کو اور نا ہی کسی بیوی کو مارا''۔

تاہم آپ ﷺ نے بطور سرزنش بیوی کے لئے ہلکی مار کی اجازت بھی دی ہے؛ لیکن یہ سرزنش ہر چھوٹی بات پر نہیں؛ بل کہ بات نہ ماننے، بدسلوکی اور زبان درازی کرنے جیسے افعال پر ہے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ وہ تمہارے پاس مددگار ہیں، تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، الا یہ کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کریں، اگر وہ ایسا کریں تو ان کے بستروں پر الگ چھوڑ دو اور ان کو غیر تکلیف دہ مار مارو۔ (ترمذی، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر: ١١٦٣، ابن ماجه، باب حق المرأة علی زوجها، حدیث نمبر: ١٨٥١) اس

حدیث میں آپ ﷺ نے تکلیف دہ مار مارنے سے منع فرمایا ہے، جب کہ دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے چہرے پر بھی مارنے سے روکا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے سے پرہیز کرے اور ''اللہ تیرے چہرے کو قبیح بنائے'' جیسے جملے بھی نہ کہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔(مسند احمد، احادیث ابو ھریرہ، حدیث نمبر: ۹٦۰٤)

آج ہم اپنے اردگرد کا جائزہ لیں۔ کتنے ایسے لوگ ملیں گے، جو اپنی بیویوں پر بات بے بات ہاتھ نہیں اٹھاتے؟ اور ایسی تکلیف دہ مار نہیں مارتے، جس سے جسم کے مختلف حصوں پر نشان ابھر آتے ہیں؟ ہاتھ پیر اور لاٹھی ڈنڈے سے تجاوز کر کے اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ چھتوں کی سیڑھیوں پر سے دھکا دے دیتے ہیں اور بعض ناہنجار اور خدا ناترس ایسے بھی ہیں جو آگ لگا کر جان ہی سے مار ڈالتے ہیں۔ ایسے خدا ناترس لوگوں کو آپ ﷺ کے عمل سے موعظت حاصل کرنی چاہئے اور بیویوں پر ہاتھ اٹھانے سے توبہ کرنا چاہئے۔ اللہ اس کی توفیق دے، آمین!

غصہ اور ناراضگی

میاں بیوی ہر وقت ساتھ رہتے ہیں اور جہاں دائمی مصاحبت ہوتی ہے وہاں کبھی کبھی آپس میں اَنْ بَنْ بھی ہو جایا کرتی ہے، آپ ﷺ یوں تو اپنی ازواج کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے؛ لیکن بے جا ضد اور اصرار پر ان سے ناراض بھی ہوتے تھے؛ چنانچہ جب ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے نفقہ وغیرہ کے مطالبہ پر اصرار کیا تو آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے اور ایک مہینے تک ایلاء (گھر کی بالائی حصہ پر قیام فرمایا اور اس دوران کسی بھی زوجہ کسی طرح کا ربط نہیں رکھا) فرمالیا۔(بخاری، باب الصلاۃ فی السطوح......، حدیث نمبر: ۳۷۸)

آپ ﷺ کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ بیوی کی ہر جائز اور ناجائز بات اور مطالبہ کو تسلیم نہیں کرنا چاہئے اور جہاں پر بیوی کی طرف سے اس طرح کی بیجا ضد اور ہٹ دھرمی نظر آئے، وہاں پر برسبیلِ اصلاح اور تنبیہ ناراضگی کا اظہار بھی کیا جانا چاہئے کہ اعتدال کی راہ یہی ہے۔

قصہ گوئی

بیوی انسانی مزاج رکھتی ہے اور انسانی مزاج کبھی کبھی مزاح اور قصہ گوئی جیسی دل چسپیوں کا خواہشمند ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ اس کی بھی رعایت کی ہے؛ چنانچہ ایک رات آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو ایک قصہ سنایا، یہ قصہ تعجب خیز تھا، چنانچہ بیویوں میں سے کسی نے کہا یہ تو (تعجب میں) خرافہ کے قصوں کی طرح ہے، آپ ﷺ نے اس پر خرافہ سے متعلق دریافت فرما کر اس کے بارے میں بتایا کہ وہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا، زمانۂ جاہلیت میں جنات اسے پکڑ کر لے گئے تھے، پھر ایک مدت کے بعد اسے انسانوں میں لا کر چھوڑ دیا، اب وہ وہاں کی عجیب عجیب باتیں بتایا کرتا تھا (مسند احمد، احادیث عائشہ، حدیث نمبر:۲۵۲۴۴، کنزالعمال، حدیث خرافہ، حدیث نمبر:۸۲۴۴)۔اسی طرح حضرت عائشہؓ نے بھی آپ کو یمن کی گیارہ عورتوں کے بارے میں قصہ سنایا تھا (شمائل ترمذی، باب حدیث ام زرع، حدیث نمبر:۲۵۴) اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی یہ پوری کہانی بھی سنی تھی اور اخیر میں یہ فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے ابوزرع کی طرح ہوں؛ البتہ میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔

آپ ﷺ کے اس قصہ گوئی اور قصہ سننے کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں کی دلجوئی اور خاطر داری کے لئے کبھی کبھی صدق پر مبنی قصے اور کہانیاں بھی سنانے چاہئیں کہ یہ چیزیں محبت اور الفت میں زیادتی کا باعث بنتی ہیں۔

عبادت کی ترغیب

آپ ﷺ جس طرح دیگر چیزوں میں ازواج مطہرات کی رعایت اور خیال فرماتے تھے، عبادت کے باب میں بھی ان کا خیال فرماتے تھے۔آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تو عبادت کی مشقتوں کے تحمل میں اعلیٰ نمونہ تھی ہی، آپ ﷺ کی ازواج بھی اِس باب میں پیچھے نہیں رہتی تھیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ لگوایا، آپ ﷺ کو دیکھ کر کئی

ازواج نے بھی خیمے نصب کروالئے۔(الموطاء للإمام مالك، باب قضاء الإعتكاف، حدیث نمبر: ۶۹۰) آپ ﷺ خود بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔حضرت ام سلمہ(رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ ایک رات آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی ذات پاک ہے! کیسے کیسے خزانے اور فتنے اللہ نے اتارے! حجرے والیوں کو جگاؤ۔(صحیح ابن حبان، باب الفقر والزهد والقناعة، حدیث نمبر:۶۱۹)،حضرت عائشہ(رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آجاتا تو آپ ﷺ ازار کس لیتے، خود شب بیداری فرماتے اور اپنی ازواج کو بھی جگاتے۔(بخاری، باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان، حدیث نمبر:۲۰۲۴)

آج ہم دنیاوی معاملات میں اپنی بیویوں کی فکر تو بہت زیادہ کرتے ہیں؛لیکن دین کے باب یا تو فکر ہی نہیں کرتے یا تساہل پسندی سے کام لیتے ہیں؛ حالاں کہ یہی آخرت کے سفر میں کام آنے والا توشہ اور زادِراہ ہے۔آپ ﷺ کے اسوہ سے ہمیں عبادت کے باب میں اپنی بیویوں کے رعایت کرنے کا سبق حاصل کرنا چاہئے اور اس باب میں دنیاوی توجہات سے کہیں زیادہ فکر کرنی چاہئے۔

یہ تھی آپ ﷺ کی ازدواجی زندگی اور بیویوں کے ساتھ سلوک کی ایک جھلک!اگر پوری زندگی کا احاطہ کیا جائے اور ازواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کے سلوک؛ بل کہ حسنِ سلوک کا جائزہ لیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے بیویوں کے ساتھ جو"حسنِ معاشرت" کا حکم دیا ہے،آپ ﷺ نے اُسے برت کر ہمیں دکھادیا اور اُس حکم کی عملی تفسیر ہمارے سامنے پیش کر کے بتایا۔اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے،آمین!!

☆☆☆

مصادرومراجع

١	القرآن الكريم	
٢	مفاتيح الغيب	شيخ الاسلام فخرالدين الرازى
٣	الجامع لأحكام القرآن	محمدبن احمدالانصارى القرطبى
٤	أحكام القرآن	احمدبن على ابوبكرالجصاص الرازى
٥	صحيح البخارى	محمدبن اسماعيل البخارى
٦	صحيح مسلم	مسلم بن حجاج النيساپورى
٧	سنن الترمذى	محمدبن عيسى الترمذى
٨	سنن ابى داود	سليمان بن اشعث السجستانى
٩	سنن ابن ماجه	محمدبن يزيدبن ماجة القزوينى
١٠	المؤطا	مالك بن انس
١١	مشكل الآثار	ابوجعفرالطحاوى
١٢	السنن الكبرى	احمدبن الحسين البيهقى
١٣	مصنف ابن ابى شيبة	ابوبكرعبدالله بن محمدبن ابراهيم بن ابى شيبه
١٤	صحيح ابن خزيمة	ابوبكرمحمدبن اسحاق بن خزيمة
١٥	مسنداحمد	احمدبن ممحمد بن حنبل
١٦	المستدرك	محمدبن عبدالله الحاكم النيساپورى
١٧	سنن الدارمى	عبدالله بن عبدالرحمن الدارمى
١٨	مسندابى داود الطيالسى	سليمان بن داودبن الجارود

١٩	سبل السلام	محمدبن اسماعیل الصنعانی
٢٠	عمدة القاری	محمودبن احمدبدرالدین العینی
٢١	فتح الباری	احمدبن علی بن حجرالعسقلانی
٢٢	ارشاد الساری	احمدبن محمدالقسطلانی
٢٣	شرح صحیح البخاری	ابوالحسن علی خلف ابن بطال
٢٤	الاستذکار	ابوعمریوسف بن عبدالله القرطبی
٢٥	التمهید	یوسف بن عبدالله بن محمدبن عبدالبر
٢٦	معالم السنن	ابوسلیمان حمدبن محمدالخطابی
٢٧	مرقاة المفاتیح	علی بن سلطان القاری
٢٨	التیسیربشرح الجامع الصغیر	محمدعبدالرؤوف بن تاج العارفین المناوی
٢٩	شرح النووی علی صحیح مسلم	یحیی بن شرف النووی
٣٠	عون المعبود	العلامة شمش الحق العظیم آبادی
٣١	شرح ریاض الصالحین	الشیخ محمدبن صالح العثیمین
٣٢	تبیین الحقائق	عثمان بن علی الزیلعی
٣٣	فتح القدیر	کمال الدین محمدبن عبدالواحد ابن الهمام
٣٤	ردالمحتار	محمدامین بن عمربن عبدالعزیز عابدین
٣٥	بدائع الصنائع	ابوبکربن مسعودبن احمد الکاسانی
٣٦	دررالحکام	علی حیدرخواجه امین آفندی
٣٧	الدرالمختار	محمدبن علی بن محمدالحصکفی
٣٨	المحیط البرهانی	محمودبن احمدبن مازة
٣٩	الجوهرة النیرة	ابوبکربن علی بن محمد الحداد الیمنی

٤٠	الهداية	على بن أبى بكر المرغينانى
٤١	حلبى صغير	ابراهيم بن محمدابراهيم الحلبى
٤٢	تحفة الفقهاء	علاء الدين محمدبن احمدالسمرقندى
٤٣	فتح باب العناية بشرح النقاية	على بن سلطان القارى
٤٤	البحرالرائق	زين الدين بن ابراهيم (ابن نجيم المصرى)
٤٥	مجموعۂ قوانين اسلامى	شائع کردہ: آل انڈیامسلم پرسنل لابورڈ
٤٦	كتاب الفتاوى	مولاناخالد سيف الله رحمانى
٤٧	منتخبات نظام الفتاوى	مفتى نظام الدين اعظمى
٤٨	قاموس الفقه	مولاناخالد سيف الله رحمانى
٤٩	المهذب	ابواسحاق ابراهيم بن على الشيرازى
٥٠	المجموع	يحيى بن شرف النووى
٥١	مغنى المحتاج	محمدبن احمدالخطيب الشربينى
٥٢	الحاوى فى الفقه الشافعى	ابوالحسن على بن محمدبن حبيب الماوردى
٥٣	جواهرالاكليل	صالح عبدالسميع الآبى الأزهرى
٥٤	الفواكه الدوانى	ابوزيد القيروانى
٥٥	حاشية الدسوقى	محمدبن احمدبن عرفة الدسوقى
٥٦	كشاف القناع	منصوربن يونس بن ادريس البهوتى
٥٧	بلغة السالك	احمدبن محمد الصاوى
٥٨	تحريرالمقال	احمدبن محمد(ابن حجرالهيتمى)
٥٩	الرسالة المفصلة	ابوالحسن على بن محمدالقابسى
٦٠	المغنى	موفق الدين عبدالله بن احمدبن قدامه

٦١	مجموع الفتاوی	احمدبن عبدالحلیم ابن تیمیه
٦٢	الدررالمباحة فی الحضروالإبا حة	خلیل بن عبدالقادرالشیبانی النحلاوی
٦٣	الموسوعة الفقهیة الکویتیة	
٦٤	الفقه الاسلامی وأدلته	الدکتوروهبة الزحیلی
٦٥	المبسوط	محمدبن احمدالسرخسی
٦٦	کشف الاسرار	عبدالعزیزبن احمدبن محمدالبخاری
٦٧	علم أصول الفقه	عبدالوهاب خلاف
٦٨	الإحکام فی أصول الأحکام	علی بن محمدالآمدی
٦٩	احیاء علوم الدین	ابوحامدمحمدبن محمدالغزالی
٧١	حجة الله البالغة	ولی الله بن عبدالرحیم الدهلوی
٧٢	المدخل الفقهی العام	الشیخ مصطفی الزرقاء
٧٣	قواعدالفقه	عمیم الاحسان المجددی
٧٤	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مبارک بن محمدبن محمد(ابن الاثیرالجزری)
٧٥	التعریفات	علی بن محمدالجرجانی
٧٦	المصباح المنیر	احمد بن محمد علی الفیومی
٧٧	لسان العرب	محمدبن مکرم بن علی ابن منطور
٧٨	دستورالعلماء	القاضی عبدالنبی الأحمدنگری
٧٩	الإفصاح عن معانی الصحاح	یحیی بن محمدبن هبیرة

مؤلف کی دیگر کتابیں

دارین بک ڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ